ایمان سخن
یعنی
انتخاب کلام شیر محمد خاں ایماں
مرتبہ
مولوی سید محمد صاحب ام۔اے

سلسلۂ انتخابات شعرائے دکن نمبر ۵

ایمانِ سخن

یعنے

انتخاب کلامِ شیر محمد خاں ایمان

مرتبہ

سید محمد ام۔ اے

لکچرار اردو گورنمنٹ سٹی کالج
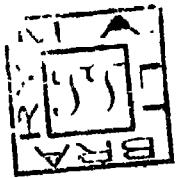
مطبوعہ شمس المطابع مشین پریس نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن

سنہ ۱۹۳۶ء

بار اول

قیمت ۱۲/

مدیر عمومی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ایم اے پی ایچ ڈی

(اس سلسلے کی دوسری مطبوعہ کتابیں)

(۱) متاع سخن انتخاب کلام نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز
(۲) بادۂ سخن " " ڈاکٹر احمد حسین مائل
(۳) کیف سخن " " سید رضی الدین حسن کیفی
(۴) سراج سخن " " شاہ سراج اورنگ آبادی
(۵) فیض سخن " " میر شمس الدین محمد فیض

ان مطبوعہ انتخابات کے علاوہ اس سلسلے میں فی الحال حسب ذیل شعرائے دکن کے کلام پر کام ہو رہا ہے

(۱) عصر میر احمد علی
(۲) تمیز نواب محمد بدر الدین خاں معظم الملک
(۳) صغیر محمد حبیب الدین
(۴) مزاج حکیم محمد مظفر الدین خان

فہرست

مرتب کی دوسری کتابیں

(۱) اربابِ نثرِ اردو :- فورٹ ولیم کالج کے نثر نویسوں کا محققانہ تذکرہ ... عاہ

(۲) گلشنِ گفتار :- شعرائے اردو کا قدیم ترین تذکرہ ۱۲ر

(۳) مثنویاتِ میر :- میر تقی میر کی تمام مثنویاں ترتیب و تصحیح کے ساتھ .. عاہ

(۴) ابتدائی فارسی :- براہ راست طریقۂ تعلیم کے مطابق فارسی کی صرف و نحو ۱۲ر

(۵) یادگارِ ولی :- اردو شاعری کے ابوالاباء ولی اورنگ آبادی کے جشن دو صد سالہ کے مقالات مع انتخاب کلام ولی .. .. عاہ

(ملنے کے پتے)

(۱) مکتبۂ ابراہیمیہ (۲) غلام دستگیر بک اسٹال عثمانیہ یونیورسٹی

(۳) مکتبۂ علمیہ چار مینار حیدرآباد (۴) مکتبۂ جامعہ دہلی

مقدمہ

۱۔ دکن کی اُردو شاعری

گذشتہ چار سو سال کے طویل عرصہ میں دکن میں سیکڑوں ایسے اُردو شاعر پیدا ہوئے جن کی مسلسل خدمت گذاریوں نے جہاں اپنے ملک کے ذوق ادب کو جاری رکھا اور اہل ذوق کی وقت بوقت ضیافت کی، زبان اُردو کو ہمیشہ کے لئے مالا مال بھی کردیا۔ ان کے عمل پیہم اور پرخلوص ذوق سخن نے اس زبان کی بنیادیں بے حد مستحکم کردیں اور اس کے ادبی خزانہ میں ایک ایسا مستقل سرمایہ فراہم کردیا جو باوجود زمانہ کی بے رحم دستبرد کے بعد بھی اتنا وافر ہے کہ اُردو بولنے والوں کی نسلیں ہمیشہ اس سے متمتع ہوتی رہیں گی۔

ان قابل احترام خدمت گذاران اُردو میں سے بیسیوں ایسے ہیں جن کے کارنامے آج موجود نہیں ہیں مگر ان کے ہمعصر یا متاخر شاعروں کے کلام میں ان کا ذکر خیر باقی رہ گیا ہے پچاسوں ایسے ہیں جن کے کارنامے موجود ہیں مگر جن کے حالات (اور بعض دفعہ تو مصنف کے نام تک) سے دنیا آج ناواقف ہے اور نہ معلوم ایسے کتنے ہوں گے جن کے نام و نشان اور کارنامے دونوں اس وقت ناپید ہیں!!

تاہم اس کو اُردو زبان کی خوش قسمتی سمجھنا چاہئے یا ان قدیم اُردو شعرا کی نیک نیتی کہ مغلوں کے حملوں اور دکنی سلطنتوں کی باہمی خانہ جنگیوں اور تباہ کاریوں کے بعد سے قریب قریب ایک صدی تک مدفون رہنے کے باوجود اُردو شعر و شاعری کے یہ قدیم اور بیش بہا گنجینے پھر منظر عام پر آرہے ہیں۔ چنانچہ عہد حاضر میں اُردو کے بعض قابل ترین خدمت گذاروں نے ان کی تحقیق و تفتیش اور اشاعت میں اپنی گراں بہا زندگیاں وقف کردی ہیں

ان باہمت افراد کی کوششوں سے اس وقت تک چند قدیم اُردو شہ کار یا اُن کے حالات و انتخابات وغیرہ منظر عام پر آچکے ہیں مگر ابھی سیکڑوں ایسے ہیں جن کی نسبت اکثر و بیشتر سطحی معلومات ہی اردو رسالوں اور کتابوں میں پیش کی گئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان میں سے اکثروں کو شائع کیا جائے اور اس طرح نام نیک رفتگاں کو ضائع ہونے سے بچا لیا جائے

ان قدیم جواہر پاروں کی اشاعت سے نہ صرف اُردو ادب کے خزانہ مطبوعات میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور اس کی تہی مایگی کی شکایت (جو اغیار کے علاوہ اکثر اپنوں سے بھی سُنی جاتی ہے) دور ہو جائے گی، بلکہ اُردو بولنے والوں کی موجودہ اور آنے والی نسلیں اپنی زبان اور ادب کے مختلف النوع رجحانات اور صحیح ذوق سے بہرہ مند ہوسکیں گی،

ہمارے نوجوان انشا پردازوں میں احساس خود اعتمادی بڑھتا جائے گا اور وہ اپنی زبان کی قدامت اور فضیلت کے اس ہمت افزا احساس کے ساتھ اس کی خدمت میں سرگرم ہوسکیں گے۔

دکن کی اُردو شعر و شاعری کی تاریخ کے کئی مختلف عہد قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ ابتدائی دور مذہبی اور صوفیانہ شعر و شاعری کا ہے جس کے متعلق اب تک چند مضامین شائع ہو چکے ہیں جن میں مولوی عبدالحق صاحب کا مضمون "اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصّہ" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس دور کی شاعری کے بعض چیدہ چیدہ نمونے تو منظر عام پر آچکے ہیں مگر خاص خاص شعرا مثلاً شاہ علی گام دھنی اور شاہ برہان الدین جانم وغیرہ کے کلام کے مکمل مجموعے اب تک شائع نہ ہو سکے۔

اس ابتدائی دور میں مذہبی رنگ کی شاعری کے علاوہ دوسری قسم کی مثنویاں بھی لکھی گئیں جن میں "نظام نامہ" نمایاں حیثیت رکھتا ہے مگر ابھی شائع نہیں ہوا ہے۔

اردو شاعری کا دوسرا دور خالص ادبی اور حسن کارانہ مساعی پر مبنی ہے اس عہد میں مقامی اور روزمرہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی آپکی نظمیں لکھی گئیں اور ادبیات فارسی کے بہترین شہ کاروں کا ترجمہ کرنے کا خیال بھی پیدا ہوا۔

اس عہد کے سب سے بڑے شاعر محمد قلی، وجہی، عبدل، احمد، فیروز، محمود، حسن شوقی اور خیالی وغیرہ ہیں ان میں اول الذکر چار اساتذۂ سخن کا بہت کچھ کلام موجود ہے مگر افسوس ہے کہ مکمل حالت میں شائع نہ ہو سکا۔ محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) چوتھے

فرمانروائے گولکنڈہ اور بانیٔ شہر حیدرآباد کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ اس کے حالات اور کلام کے اقتباسات مولوی عبدالجبار خاں صوفی مرحوم نے اپنے قابل قدر تذکرہ "محبوب الزمن" میں آج سے قریب پچاس سال پہلے پیش کئے پھر آٹھ دس سال قبل مولوی عبدالحق صاحب نے "رسالہ اردو" میں اس کے کلیات پر ایک دلچسپ مضمون لکھا اور نمونہ کلام بھی شائع کیا نیز "دکن میں اردو" "اردوئے قدیم" "اردو شہ پارے" اور "جواہر سخن" وغیرہ کتابوں کے ذریعہ سے بھی اس کا کچھ نہ کچھ کلام منظر عام پر آیا ہے۔ مگر ایک ایسے اعلیٰ پایہ استاد سخن کے مکمل گنجینۂ معانی کا شائع ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس میں جملہ اصناف سخن یعنی غزل، قصیدہ، قطعہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ کے وافر اور عمدہ نمونے موجود ہیں۔

عہد محمد قلی کے شعرا میں احمد اور وجہی قابل ذکر ہیں۔ احمد نے فارسی یوسف زلیخا کا ترجمہ کیا جس پر چند ہی سال قبل پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب نے ایک مضمون شائع کیا ہے۔ وجہی نے ایک اچھی مثنوی "قطب مشتری" (۱۰۱۸ھ) لکھی جس میں خود بادشاہ (محمد قلی قطب شاہ) کے مشہور آفاق معاشقے کی داستان نہایت نفاست کے ساتھ بیان کی ہے۔ یہ نظم اصل میں ابراہیم قطب شاہ کے عہد حکومت اور محمد قلی کے زمانۂ ولی عہدی میں شروع کی گئی تھی۔ اس میں تلنگانہ کی مشہور رقاصہ

بھاگ متی (جس کی خاطر شہر بھاگ نگر بسایا گیا جو بعد میں حیدر آباد کہلایا) کے ساتھ شہزادہ ولی عہد سلطنت کی ضرب المثل محبت و فریفتگی کا سچا اور زندہ جاوید مرقع پیش کیا ہے اس وقت تک اس اہم کارنامۂ سخن کے صرف ایک ہی نسخے کا پتہ چلا ہے جو انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے (مگر وہاں کے کیٹلاگ مرتبہ پروفیسر بلوم ہارٹ سے اس کا پتہ نہیں چلتا) راقم نے اس کو اشاعت کے لئے نقل کرنا شروع کیا تھا مگر افسوس ہے کہ پوری کتاب نقل نہ ہونے پائی تھی کہ لندن سے روانگی کا زمانہ آگیا۔

اس سلسلہ میں یہ ذکر شاید نامناسب نہ ہوگا کہ ایسی عجیب و غریب مثنوی کے مصنف وجہی نے اس کے کئی سال بعد نثر میں بھی ایک عجوبۂ روزگار کتاب سب رس (۱۰۴۵ھ) لکھی تھی جس کو مولوی عبدالحق صاحب نے کئی نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد انجمن ترقی اردو سے شائع کیا ہے۔ وجہی کے دیگر کلام میں سے چند غزلیں اور مرثیے بھی دستیاب ہوئے ہیں جو رسائل میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

اسی زمانہ کا ایک اور شاعر عبدل تھا جو بیجاپور کے فرمانروا ابراہیم عادل شاہ ثانی نورس (۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ) کی قدردانی سخن کا شہرہ سن کر بیجاپور آیا تھا یہاں اس نے وجہی کی طرح اپنے ولی نعمت سے متعلق ایک مثنوی "ابراہیم نامہ" لکھی جس کا

تذکرہ رسالہ ہندستانی میں چھپ چکا ہے۔

اردو شاعری کا تیسرا دور اُس کا عہد زریں سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں ہر ایک صنف سخن میں اس درجہ ترقی ہوئی ہے کہ اس دور کے بعض شاعروں کو خدایان سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا

غواصیؔ، ابن نشاطیؔ، جنیدیؔ، قطبؔ، عبداللہؔ، شاہیؔ، طبعیؔ، غلام علیؔ، رستمیؔ، ملک خوشنود، نصرتیؔ، شاہ امین وغیرہ اِس دور کے بیسیوں شاعروں میں سے وہ چند اساتذۂ فن ہیں جن پر اُردو زبان فخر کر سکتی ہے۔

غواصیؔ اصل میں اس سے قبل کے دور کا شاعر اور مشہور ملا وجہی کا حریف سخن ہے مگر اس کو اسی دور میں عروج حاصل ہوا۔ اس کے کلام میں سے صرف مثنویوں اور مرثیوں کے نمونے اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں جن کے اقتباسات شائع بھی ہو چکے ہیں۔ اس کی مثنویاں "سیف الملوک و بدیع الجمال" (۱۰۳۵ھ) اور طوطی نامہ (۱۰۴۹ھ) فارسی کے بہترین اُردو ترجمے ہیں اور اچھی معلوم ہوتے ہیں۔

جنیدیؔ "ماہ پیکر" (۱۰۶۴ھ) کا مصنف ہے۔ اس کے متعلق پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے ایک تفصیلی مضمون رسالہ ہندستانی میں شائع کیا ہے جس میں اس کے کلام کے

طویل نمونے بھی درج کئے ہیں۔ ابن نشاطی اصل میں نثرنگار تھا لیکن اس نے محض تجربتاً جو اعلیٰ پایہ مثنوی پھول بن (۱۰۶۶ھ) لکھی اس سے اس کی طبیعت کی نفاست اور ذوق کی خوبی کا پتہ چلتا ہے اس کے اقتباس "اردو شہ پارے" اور "یورپ میں دکنی مخطوطات" وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں مگر یہ ایسی کتاب نہیں ہے کہ اس سے ابھی اردو دنیا کو محروم رکھا جائے۔

قطب (سلطان محمد قطب شاہ متوفی ۱۰۳۵ھ) عبداللہ (سلطان عبداللہ قطب شاہ متوفی ۱۰۸۳ھ) اور شاہی (سلطان علی عادل شاہ ثانی متوفی ۱۰۸۳ھ) تینوں بادشاہ ہیں اور بادشاہ سخن بھی۔ ان کے کلام کے مجموعے موجود ہیں۔ اول الذکر تاجداروں کے کلام کے نمونے "محبوب الزمن" "اردوے قدیم" "اردو شہ پارے"۔ اور "دکن میں اردو" وغیرہ میں مندرج ہیں۔ شاہی کا کلیات حال ہی میں دستیاب ہوا ہے اور اس پر مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب نے ایک مضمون "رسالہ معارف" میں چھپوایا ہے۔ یہ تینوں مجموعے اردو مطبوعات میں قابل قدر اور اہم اضافے ہوں گے اگر یہ چھپ جائیں۔

طبعی اور غلامی گولکنڈہ کے شعرا ہیں اور اپنی شاعری کی خوبیوں اور اعلیٰ خصوصیات کی وجہ سے سلطنت قطب شاہیہ کے آخری ملک الشعرا سمجھے جا سکتے ہیں۔ طبعی نے مثنوی "بہرام و گل اندام" (۱۰۸۱ھ) لکھی وہ ایک اچھا غزل گو بھی تھا اور دبستان وجہی سے متعلق تھا۔

اُس نے اپنے کلام میں وجہی کی طرح معنی آفرینی اور نزاکت خیال پر زیادہ زور دیا ہے۔ غلام علی عہد ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کا شاعر ہے۔ اس نے "پدماوت" (۱۰۹۱ھ) کو اُردو میں منتقل کیا ہے۔ اس کے خیالات اور طرز ادا ظاہر کرتی ہے کہ وہ قطبی کے خلاف دبستان غواصی سے متعلق تھا۔ متذکرہ دونوں مثنویوں کے اقتباسات مختلف کتابوں میں چھپ چکے ہیں۔

رستمی، ملک خوشنود، نصرتی اور شاہ امین بیجاپور کے آخری بلند پایہ اساتذۂ سخن ہیں۔ اور ان سب کے کلام کے کچھ کچھ نمونے اس وقت تک منظر عام پر آچکے ہیں اوّل الذکر دونوں عہد محمد عادل شاہ (متوفی ۱۰۶۷ھ) سے متعلق ہیں اور موخرالذکر علی عادل شاہ ثانی (متوفی ۱۰۸۳ھ) اور سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۷ھ) کے عہد سے۔

رستمی زبردست ادیب، قصیدہ گو، اور خطاط تھا۔ مگر اس وقت تک اس کی صرف ایک عظیم الشان اور نہایت ہی ضخیم مثنوی "خاور نامہ" (۱۰۵۹ھ) کا پتہ چلتا ہے جو اُردو زبان کی سب سے طویل مثنوی ہے۔ اس کا نہایت مطلا و مذہب اور مصور نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ کتاب اُن جملہ مثنویوں کے مقابلہ میں غالباً اوّل قرار دی گئی تھی جو بیجاپور کی ملکہ شہربانو بیگم کی فرمایش پر بیجاپور میں لکھی گئی تھیں۔

ملک خوشنود اصل میں گولکنڈہ ہی کا شاعر تھا مگر شہزادی خدیجہ سلطان شہربانو بیگم

کے ساتھ جہیز میں بیجاپور روانہ کیا گیا تھا جہاں محمد عادل شاہ کے دربار میں اس نے اپنے ذوق سخن اور حسن سلیقہ کی وجہ سے خاص منزلت حاصل کر لی تھی۔ اس شاعر کی دو مثنویوں "یوسف زلیخا" اور "ہشت بہشت" (۱۰۵۶ھ) کا پتہ چلتا ہے جو امیر خسرو کی فارسی مثنویوں کے ترجمے ہیں۔

نصرتی شاہی کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ اُس کے قصائد اور مثنویاں (گلشن عشق ۱۰۶۸ھ اور علی نامہ ۱۰۷۶ھ) اُردو زبان کے بہترین جواہر پارے سمجھی جا سکتی ہیں۔ اس کے حالات اور کلام کے نمونے مختلف کتابوں اور رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپور کے اولیائے کرام سے ہیں۔ اچھے شاعر بھی تھے مگر افسوس ہے کہ ان کا پورا کلام اب تک شائع نہیں ہوا۔

اس دور میں متعدد مرثیہ نگار مثلاً ہاشمی، مرزا، وغیرہ بھی گذرے ہیں مگر ان کے مکمل مرثیے اس وقت تک دستیاب نہیں ہو سکے۔

اردو شاعری کا چوتھا دور ایک عبوری زمانہ پر مشتمل ہے۔ اس میں دکن کی سیاسی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی زبان اور شاعری بھی زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ مگر یہ عہد اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں شمالی ہندوستان خاص کر دارالسلطنت دہلی

اردو شعر و شاعری سے روشناس ہوا اور وہاں کے شعرا فارسی گوئی ترک کر کے اُردو شعر و سخن کی طرف مائل ہوئے۔

یہ فطرت کی ستم ظریفی ہے کہ اگرچہ اس زمانہ میں بظاہر شمال کی مغل فوجوں نے دکن کو فتح کر لیا تھا مگر جہاں تک زبان و ادبیات کا تعلق ہے اصل میں دکن نے شمال کو فتح کیا۔ اگر اس وقت شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھوں دکن کی سلطنتیں تباہ و برباد نہ ہو جاتیں اور دکن کے خزائن علمیہ و ادبیہ اور گنجینہ ہائے شعر و سخن مال غنیمت بن کر مغل سپاہیوں کے ساتھ شمال نہ پہنچ جاتے، نیز دکنی شعرا اور اہل ذوق شمال میں اور شمال کے دکن میں آنے جانے نہ پاتے اور اس طرح اُردو کی علمی و ادبی قابلیت کا اہل شمال کو احساس نہ ہونے پاتا تو نہ معلوم ابھی کتنے عرصہ تک شمالی ہندوستان میں اُردو زبان کس مپرسی کی حالت میں پڑی رہتی اور فارسی کا دور دورہ رہتا۔

یہ زمانہ صحیح معنوں میں دورِ اختلاط کہا جا سکتا ہے کیونکہ صدیوں کے اختلاف اور جدائی کے بعد اس عہد میں دکن اور شمال میں ایک گونہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت دکن کے شاعروں میں جنھوں نے شمال کا سفر کیا ولیؔ، آزادؔ، فراقیؔ، عزلتؔ اور دردمندؔ وغیرہ اور شمال کے شاعروں میں جو دکن آئے تھے۔ ندیمؔ، زٹلیؔ، فطرتؔ، آرزوؔ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا کے باہمی میل جول کے علاوہ جو واقعہ دہلی میں اُردو شاعری کے آغاز کا باعث ہوا اور جس کا ذکر ابھی کیا گیا وہ دکن کی اکثر و بیشتر اُردو کتابوں کا اورنگ زیب کی فتحمند فوجوں کے ساتھ مال غنیمت بن کر شمالی ہند میں

پہنچ جاتا ہے۔

اُردو شاعری کے اس چوتھے دور کے سیکڑوں دکنی شاعروں کا پتہ چلتا ہے مگر ان میں جو زیادہ مشہور ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ عشرتیؔ، عاجزؔ، ولی اورنگ آبادی، ولی ویلوری، فراقیؔ، سراجؔ، عزلتؔ، وجدیؔ، آگاہؔ، داؤدؔ، صارمؔ وغیرہ اور مرثیہ نگاروں میں ہاشم علیؔ، ذوقیؔ، روحیؔ، رضیؔ، مرزاؔ، قادرؔ، غلامیؔ، کاظمؔ وغیرہ۔

اوّل الذکر دو کے کچھ حالات اور کلام کے نمونے شائع ہو چکے ہیں مگر ان کی مثنویاں "دیپک پتنگ"، "چت لگن" اور "ملکہ مصر" وغیرہ اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ ولی اورنگ آبادی اور ولی ویلوری دونوں کا کلام چھپ چکا ہے اوّل الذکر کا کلیات سب سے پہلے مشہور فرانسیسی محسن اُردو گارساں دتاسی نے پیرس کے شاہنشاہی دارالطبع سے شائع کیا تھا اور چند سال قبل مولوی سید محمد احسن صاحب مارہروی نے کئی نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کا اور ایک مجموعہ شائع کیا ہے ولی دکنی کی "روضۃ الشہدا" چھپی تھی مگر اب کمیاب ہے

فراقیؔ، سراجؔ، عزلتؔ اور آگاہؔ کے کلام کے صرف نمونے چھپے ہیں۔ آگاہ پر انجمن طلبارِ قدیم دارالعلوم "کے سلسلہ تالیفات اُردو میں ایک چھوٹی سی کتاب چھپی تھی بعد میں پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب اور مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب نے اس پر تفصیلی مضامین شائع کئے۔ شاہ سراج پر مولوی غفور احمد صاحب کام کر رہے ہیں

اس دور کے مرثیہ نگاروں کا مکمل کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ ان کے حالات اور کلام کے چند نمونے راقم نے رسالہ اُردو میں شائع کئے تھے۔ پھر مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب

نے بھی اس موضوع پر کئی مضمون لکھے۔

اردو شاعری کے اس دور کی نسبت ابھی بہت کچھ معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

دکن کی اردو شاعری کے پانچویں دور میں، درگاہ، شیدا، شفیق، تجلی، ایمان قیس، چندا، شاداں، ایما، اور احسان وغیرہ قابل ذکر شعرا ہیں اول الذکر دو مرثیہ گو تھے جن پر مولوی میر سعادت علی رضوی صاحب نے تحقیقی کام کیا ہے۔ چنانچہ درگاہ پران کا ایک تفصیلی مضمون "مجلہ عثمانیہ" میں شائع ہو چکا ہے۔ شیدا کی "اعجاز احمدی" بھی ایک دلچسپ مثنوی ہے۔

شفیق کے حالات، نمونہ کلام، اور تذکرہ (چمنستان شعرا) مولوی عبدالحق صاحب نے انجمن ترقی اردو سے شائع کیا ہے۔ شاہ تجلی اس دور کی عجیب و غریب شخصیت ہیں انھیں فنون لطیفہ سے خاص شغف تھا۔ ان کی حیات اور کارناموں پر پروفسر عبدالقادر سروری صاحب نے کام کیا ہے۔ ایمان پر مولوی سید محمد صاحب کام کر رہے ہیں اور ان کے تلامذہ قیس اور چندا پر سید اشفاق حسین صاحب اور سید اختر حسن صاحب علی الترتیب مصروف کار ہیں۔

شاداں (مہاراجہ چندو لال) اردو شعر و سخن کے فیاض سرپرست تھے ان کا دیوان چھپ چکا ہے۔ مگر کچھ کلام ابھی غیر مطبوعہ ہے جس کو معین الدین صاحب رہبر نے

مرتب کر لیا ہے جو ابھی شائع نہیں ہوا۔

اس دور کے اُردو شعرا شمالی ہند (خاص کر دہلی) کے شاعروں سے زیادہ متاثر تھے۔ یوں تو اس سے قبل کا دور بھی اہلِ شمال کے میل جول کی وجہ سے ٹھیٹ دکنی طرزِ سخن کا تبع نہیں رہا تھا مگر اس دور کے شاعروں کی زبان دکنی ہی تھی اور ان کے اثر سے شعرائے دہلی نے بھی دکنی زبان ہی میں اشعار لکھنے شروع کئے تھے۔ مگر اس اثنا میں مظہر اور اُن کے زیرِ اثر یقین، سودا، میر اور تاباں وغیرہ کی مساعی نے شمال سے اس دکنی اثر کو زائل کر دیا اور وہاں کے شعرا دکنی طرز کو چھوڑ کر دہلی کے اُردوئے معلّٰی کے محاورے اور زبان لکھنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دکن کے شاعروں کو بھی اپنے وطن اور اسلاف کی زبان ترک کر کے شعر و سخن کے لئے دہلی کی زبان اختیار کرنی پڑی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ایک تو اس عرصہ میں دکن میں میر، سودا، اور یقین جیسے اُردو شاعر پیدا نہیں ہوئے اور دوسرے چونکہ عہد قطب شاہیہ و عادل شاہیہ کے بعد سے دکن کے حکام اہلِ شمال ہی تھے، اس لئے دکن میں شمالی ہند ہی کے شاعروں کی قدر و منزلت ہونے لگی۔ چنانچہ اس وقت تک فطرت، شہید، نصیر، مشتاق، آفاق، شہرت، منت، کمتر اور صفا وغیرہ جیسے بیسیوں شمال کے شعرا دکن آ چکے تھے۔

ان بیرونی شاعروں کی غیر معمولی قدر و منزلت دیکھنے کے بعد دکن کے شاعروں کو بھی انہی کی پیروی کا خیال پیدا ہوا چنانچہ اس دور کے دکنی شعرا کی زبان بالکل بدل گئی اصنافِ سخن کے لحاظ سے بھی وہ شمالی شعرا کے مقلد ہو گئے جس کی بنا پر طویل نظموں کا

رواج کم ہوگیا اور خاص کر رزمیہ و بزمیہ مثنویاں (جو قدیم دکنی شاعری کی جان ہیں اور جن کی وجہ سے اُردو ادب کا خزانہ الامال سمجھا جاتا ہے) اس دور سے مفقود ہونی شروع ہوئیں۔

دکن کی اُردو شاعری کے چھٹے دور میں فیضؔ، خاموشؔ، تمیزؔ، ذکاؔ، پاسؔ، عصرؔ، باقیؔ، فیاضؔ، اور ناجیؔ وغیرہ اساتذۂ فن گذرے ہیں۔ اس زمانہ میں شاعری کی بہ نسبت نثر کو زیادہ فروغ ہوا۔ یہ اصل میں دور تالیف و تراجم تھا کیونکہ اس وقت حیدرآباد میں نواب شمس الامرا اور ان کا خاندان مربی علم و فضل اور قدردان ادب تھا اور اگرچہ خود اس خاندان میں اچھے شاعر پیدا ہوئے مگر ان بزرگوں کو تاریخ و جغرافیہ کے علاوہ زیادہ تر سائنس اور ریاضی وغیرہ سے دلچسپی تھی۔

اس عہد کے شاعروں میں فیضؔ خدائے سخن سمجھے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اُن جیسا بلند مرتبہ شاعر اور کثیر التصانیف ادیب عہد قطب شاہیہ کے بعد سے حیدرآباد میں نہیں پیدا ہوا۔ اُن کے تلامذہ کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی چنانچہ خود اس موضوع پر ایک مبسوط تذکرہ موجود ہے۔ فیض نے ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں جن میں سے بعض ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکی تھیں۔ ان کے حالات اور کلام پر مرزا سرفراز علی صاحب نے "مرقع سخن" میں ایک مضمون لکھا ہے۔

خاموشؔ اور ناجیؔ بھی اچھے شاعر تھے اول الذکر کا کلام چھپ چکا ہے وہ زیادہ تر مذہبی اور صوفیانہ رنگ میں لکھتے ہیں۔ موخر الذکر زیادہ تر نوحے لکھا کرتے تھے۔ تمیزؔ نواب شمس الامرا کے

چھوٹے لڑکے بدرالدین خاں معظم الملک کا تخلص تھا۔ وہ ایک بڑے حسن کار اور اچھے شاعر تھے ذکا اس دور کے وہ حیدرآبادی سخن طراز ہیں جن کی شاعری کی مدحت طرازی میں مرزا اسداللہ خان غالب کے کئی خطوط رطب اللسان ہیں۔

دکن کے شاعروں کا ساتواں دور مائل، لمعہ، توفیق، شائق، علی، کیفی، الم آصف، عثمان، عزیز، دل، شاد، امجد، صفی، صغیر، اور ذہین وغیرہ صاحبانِ سخن پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر اب موجود نہیں ہیں۔ اس لحاظ سے شاد، عثمان، عزیز، امجد، صفی اور صغیر وغیرہ کی ہستیاں بسا غنیمت ہیں۔ اگرچہ اس دور کے اکثر شعرا کا کچھ نہ کچھ کلام چھپ چکا ہے لیکن بعض کے مجموعے نہایت کمیاب ہیں۔

اس دور کے قریب قریب جملہ شعرا بیرون ملک کے اساتذۂ فن (جو حیدرآباد آئے) مثلاً میکش، ترکی، داغ، بیدل، امیر، نظم طباطبائی اور جلیل وغیرہ کے تلامذہ ہیں۔ ان کے علاوہ اس عہد میں متعدد شعرا مثلاً شیفتہ، علوی، حبیب، ضامن، جوش، صدق اور فانی وغیرہ بھی شمالی سے دکن میں آئے۔

اس دور کی اہم خصوصیت یہی ہے کہ اس میں گذشتہ ادوار سے قدیم معیاری اُردو یعنی دکن کی زبان کو ترک کر کے شمالی جدید معیاری اُردو پر قابو حاصل کرنے کی جو کوشش کی جا رہی تھی اس کو انتہائی مدارج پر پہنچایا گیا۔ زبان کے علاوہ اس عہد کے دکنی شعرا نے اصنافِ سخن میں بھی شمال کے اساتذۂ فن کے قدم بقدم رہنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔

اس دور کے شعرا میں شایق، توفیق، امجد، صفیر اور شاد کے کلام میں تصوف کی جھلکیں نمایاں ہیں، اور ان میں سے بعض تو اُردو کے بہترین عارف اور صوفی شعرا سمجھے جا سکتے ہیں۔ کیفی ذہین اور آزاد نے عصر حاضر کی خصوصیات اور ضرورتوں کے لحاظ سے اپنی قوت سخن کے اظہار کے لئے نئے میدان پیدا کر لئے ہیں۔

دکن کی مسلسل خدماتِ شعر و سخن پر یہ ایک سطحی اور سرسری تبصرہ ہے۔ اس موقع پر تفصیل کی گنجائش تھی اور نہ ضرورت۔ اس حقیقت حال کا اعتراف لازمی ہے کہ اس سلسلہ میں بیسیوں ایسے شعرا کے نام شریک نہیں ہیں جو اساتذۂ فن کے رتبہ تک نہیں پہنچے یا جن کی نسبت ابھی ہماری معلومات محدود ہیں۔ وہ زمانہ آنے والا ہے جب اس قسم کے جملہ شاعر گوشہ گمنامی سے منظر عام پر آئیں گے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ اس وقت نوجوان خاص خاص اساتذہ پر مشغول کار ہیں جس کا ذکر انہی صفحات میں اپنی اپنی جگہ درج ہو چکا ہے یہاں البتہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ بعض احباب کی توجہ اور مشورہ سے فی الحال دور آصفیہ کے بارہ شاعروں کے ایسے انتخابات شائع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ جو اُردو ادب میں اضافہ کا باعث ہوں گے، اور جن کے مطالعہ سے اُردو کا ذوق رکھنے والے نوجوان اپنے ذوق سخن میں ترقی کر سکیں گے۔

ایمان اور اُن کی شاعری

ایمان اور کچھ نہیں مقدور اگر تجھے
عالم میں یادگار تو اپنے سخن کی چھوڑ

ایمان سرزمین دکن کے ان ممتاز شعرا میں سے ہیں جن کی رنگین نوائیوں اور شیوہ بیانیوں نے فرخندہ بنیاد حیدرآباد کی بزم ادب سے نکل کر باہر بھی شہرت حاصل کر لی تھی اور جن کا کلام ہم پیشہ نازک خیالوں کے لئے رشک کا باعث تھا۔

بس کہ ہے ایمان کی شعلہ بیانی روشن
گرمی شعر سے سب اہل ہنر جلتے ہیں

ان کا نام شیر محمد خاں تھا اور ان کے والد محمد قاسم خاں مشہور بہ نایک ریاست ابد مدت حیدرآباد کے قدیمی باشندے اور وقایع نگاری کی خدمت پر مامور تھے۔ وقایع نگاری کے ساتھ ساتھ وہ اخبار گوئی کے فرایض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ دونوں خدمتیں اس زمانۂ قدیم میں بہت اہمیت رکھتی تھیں اور ان پر ایسے ہی ثقہ اور معتبر آدمی مامور کئے جاتے تھے جو اعلیٰ علمی لیاقت کے ساتھ ساتھ دیانتداری، ایمانداری، وفاشعاری اور کمال ہوشیاری سے بھی متصف ہوں۔ اگرچہ ایمان کے خاندانی اور ذاتی حالات کا ذکر اردو کے مستند تذکروں میں نہیں

ملتا ہے لیکن ان کے زمانے کی تاریخی کتابوں مثلاً تزک آصفیہ مؤلفہ شاہ تجلی
و گلزار آصفیہ مؤلفہ غلام حسین خاں مخاطب بہ خان زماں خاں وغیرہ میں ان
کے جستہ جستہ حالات درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمانؔ ایک اچھے شریف
خاندان کے فرد تھے۔ وہ حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نے
انہیں شہر کے مشہور علما و فضلا سے عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ خود ان
کا کلام ان کی علمی قابلیت کی بین دلیل ہے۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد
ہی ایمانؔ نے شعر کہنا شروع کیا۔ ان کے ایک استاد شاہ تجلی مؤلف تزک
آصفیہ بھی تھے جو اپنے زمانے کے ایک بڑے مؤرخ، شاعر اور نیک سیرت
عالم تھے۔ شاہ صاحب کو بھی ایمان کی شاگردی پر فخر تھا اور اپنی تاریخ میں
اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

ایمان اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کی خدمت وقائع نگاری اور
اخبار گوئی پر مامور ہو گئے اور اپنی اعلیٰ قابلیت اور کارکردگی سے بہت تھوڑی
مدت میں ترقی کر لی اور تمام اخبار گویوں کے افسر اعلیٰ بنا دئے گئے۔ بقول
صاحب گلزار آصفیہ ایمان علم و فضل کے لحاظ سے ایک فرد فرید تھے۔ انھیں
دکن کی تاریخ زبانی یاد تھی۔ ریاست حیدرآباد کے چپے چپے سے وہ آگاہ تھے
اور مختلف مہمات تاریخی کو بڑی شرح و بسط اور صحت کے ساتھ بیان کرتے تھے
علم و فضل کے ساتھ ساتھ ان کی طبیعت میں بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کا بھی خاص

مادہ تھا، جو سونے پر سہاگے کا کام دیتا تھا اور انھیں اپنے زمانے میں سماج کا ایک مقبول رکن بنا دیا تھا۔

قدیم زمانے کے بادشاہ اور امرا اہل علم اور صاحب کمال لوگوں اور شاعروں کے جیسے قدر دان ہوتے تھے وہ ایک ناقابل فراموش تاریخی حقیقت ہے ان کے درباروں اور صحبتوں میں ہمیشہ ذی علم اور باکمال افراد دور دور سے بلا کر بڑی خاطر اور تواضع سے رکھے جاتے تھے۔ ایمان کے فضائل علمی، شعر گوئی اور بذلہ سنجی نے انھیں امرا کے درباروں سے الگ رہنے نہ دیا۔ چنانچہ اعظم الامرا ارسطو جاہ جو ریاست حیدر آباد کے ایک بڑے امیر اور سنہ ۱۷۹۴ء سے سنہ ۱۸۰۴ء تک وزیر اعظم رہ چکے تھے، ان کے مربیِ خاص تھے۔ اکثر سفر و حضر میں انھیں اپنے ہمراہ رکھتے اور ان کی شعر خوانی اور بذلہ سنجیوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اعظم الامرا کی تعریف میں جو بلیغ قصائد ایمان نے کہے ہیں ان سے اس امر پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ ایمان کو ان کے دربار سے کس قدر گہرا تعلق تھا۔ جب اعظم الامرا کی دختر بلند اختر جہاں پرور بیگم کی شادی نواب میر اکبر علی خاں سکندر جاہ ولی عہد سلطنت آصفیہ سے ہوئی تو اس موقع پر ایمان نے ایک معرکۃ الآرا قصیدہ کہہ کر گزرانا تھا۔

اعظم الامرا کے علاوہ ایمان نے ایک اور امیر دکن سردار الملک کی بھی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ یہ نواب شمس الامرا تیغ جنگ کے نسبتی بھائی، ہفت ہزاری منصب دار اور حضور پُرنور نواب میر نظام علی خاں بہادر کے مصاحب خصوصی تھے

نواب میر نظام علی خاں بہادر کی مدح میں بھی ایماؔن نے بڑے پُر عظمت قصیدے کہے ہیں اور ان میں خوب زورِ طبع دکھایا ہے اس سے پیشگاہ عالی میں ان کی عقیدت اور رسائی کا ثبوت ملتا ہے۔

ایماؔن جیسا کہ اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے اپنے زمانے میں گلِ سرسبد شعرائے دکن مانے جاتے تھے۔ ان کی شاعری اور استادی اس قدر مسلم تھی کہ جب تک ایماؔن نہیں آتے مشاعروں میں غزل خوانی شروع نہیں ہوتی تھی گلزارِ آصفیہ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ ۱۲۱۶ھ اور ۱۲۱۷ھ میں شہرتؔ اور آفاقؔ تخلص دو شاعر جو شمالی ہند کے باشندے تھے اپنے مکان واقع کمان الجی بیگ میں مشاعرے کیا کرتے تھے۔ ان کے مشاعروں میں مقامی شعرا کے علاوہ شمالی ہند کے وہ تمام نامور شعرا بھی شریک ہوتے تھے جو کسی نہ کسی وجہ سے حیدرآباد میں مقیم تھے۔ ان مشاعروں میں ہمیشہ ایماؔن کا انتظار کیا جاتا تھا اور جب تک وہ نہیں آ جاتے تھے غزلیں نہیں پڑھی جاتی تھیں۔[1]

شعر و شاعری میں ایماؔن کے شاگردوں کی فہرست خاصی طویل ہوگی لیکن ان کے ممتاز شاگرد جنھوں نے اپنے کمالِ فن سے استاد کا نام روشن کیا وہ قلیسؔ، حفیظؔ اور رحیمؔ ہیں۔ یہ تینوں صاحب دیوان ہیں قلیسؔ ایماؔن کے بھانجے بھی تھے اور موروثی خدمت وقائع نگاری و اخبار گوئی کے علاوہ

---

[1] گلزارِ آصفیہ صفحہ ۴۴

مہاراجہ چندو لال شاداں پیشکار و وزیر اعظم کے درباری شاعر تھے۔ حفیظ بھی انھیں کے درباری شاعر تھے۔ چندو لال اپنی گوناگوں خوبیوں سخن سنجی، داد و دہش، مہمان نوازی وغیرہ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتی تھی۔ اس کا کلام بہت مشہور رہا۔

ایمان نے ۱۲۲۱ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی۔ کسی تذکرے یا تاریخ میں ان کی تاریخ ولادت نہیں ملتی جس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی عمر کیا تھی۔

ایمان کا کلیات جو جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے ہنوز قلمی صورت میں ہے۔ اس کا ایک عمدہ اور صاف خط نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے اور ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں۔ انجمن[۱] ترقی اردو کے کتب خانے میں بھی ایک نسخہ ہے مگر یہ بہت بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ جو انتخاب کلام اس وقت پیش کیا جا رہا ہے وہ انہی نسخوں کے باہمی مقابلے سے مرتب کیا گیا ہے۔

کلیات کے علاوہ دو اور رسالے ایمان کی تصنیف سے ہیں۔ ایک گلدستہ گفتار جس کا موضوع ضلع جگت اور صنایع بدایع ہے اور دوسرا نبرد نامہ جو شطرنج کے متعلق ہے۔ اردو کے علاوہ ایمان نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ فارسی میں ان کا کوئی دیوان ہے یا نہیں

[۱] انجمن کا نسخہ جناب سکریٹری صاحب نے ہمارے استفادہ کے لئے عنایت فرمایا تھا اس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں ۱۲

ایمان کو تاریخ گوئی میں بھی بڑی مہارت تھی۔ انھوں نے بعض بڑے عمدہ قطعات تاریخی کہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نواب میر نظام علی خاں مرحوم کی وفات پر جو قطعہ ایمان نے کہا وہ اس قدر مقبول اور پسندیدہ ہوا کہ آپ کے مزار پر اسی کو کندہ کرایا گیا ہے۔

بر روح پاک میر نظام علی مدام، زیں مصرعہ عجیب دو تاریخ در نجواں
خوانند با وضو ہمہ اشخاص فاتحہ مستوجب بہشت و با خلاص فاتحہ

ایمان بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے ہر صنف سخن میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے ہیں۔ علاوہ غزلیات کے ان کے کلیات میں دس قصیدے، نو دس مثنویاں، متعدد رباعیاں اور چند مثلث اور مخمس وغیرہ جملہ اصناف کا کلام موجود ہے۔ قصائد میں انھوں نے زیادہ تر بہاریہ تشبیب میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ اور پھر اپنے ممدوحوں کی مدح نئے نئے پہلوؤں سے کی ہے۔ ان کے بعض قصائد مشکل زمینوں میں بھی ہیں لیکن کہیں ان کی طبیعت کا زور کم ہوتا نظر نہیں آتا۔ ان کے یہاں ہجویات کا حصہ نہیں۔ انھوں نے قصائد میں ہی نہیں بلکہ کسی اور صنف میں بھی کسی کی مذمت اور ہجو سے اپنی زبان آلودہ نہیں کی قصائد ایمان کی قدرت بیان اور زور طبع کا بہت عمدہ نمونہ ہیں۔ الفاظ کی دردبست، اور بندش کی چستی کے ساتھ محاکات، روانی اور سلاست ان کی خصوصیات ہیں۔

مثنویات میں خسرو شیریں اور لیلیٰ مجنوں دونوں حکائیہ نظمیں ہیں۔ اگرچہ ان کا موضوع بہت ہی پامال اور رونداہوا ہے لیکن ایمان نے اپنے طرز بیان سے ایک طرح کی جدت اور لطف پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اشتیاق نامہ، فراق نامہ اور بے تاب نامہ تینوں عشقیہ جذبات سے معمور ہیں اور عاشق حرماں نصیب کے اشتیاق و بے تابی کی قلبی تصویریں ہیں۔ ان مثنویوں میں سادگی بیان اور پاکیزگی زبان کے ساتھ داخلی شاعری کا عنصر غالب ہے۔ عاشق کی قلبی کیفیات اور لطیف احساسات کو بڑی خوبی سے دکھایا ہے۔ ان کی سب سے اچھی اور دلکش مثنوی "برق تاب" ہے جس کا موضوع بارش کا موسم ہے۔ ایمان نے اس مثنوی میں اپنے کمال فن کے جوہر خوب دکھائے ہیں۔ اس میں منظر نگاری کی بہت اچھی مثالیں ملتی ہیں۔

ایمان کی رباعیات خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔ چار مصرعوں میں خوش اسلوبی کے ساتھ کسی مضمون کو اس طرح نظم کر دینا کہ بے ساختہ پن ہاتھ سے نہ جانے پائے اور کوئی مصرعہ بھرتی کا نہ ہو مشکل کام ہے۔ اگرچہ اردو شاعروں میں سے اکثر نے رباعیاں کہی ہیں لیکن بہت کم لوگوں کی رباعیاں اس معیار پر پوری اترتی ہیں۔ اگرچہ ایمان کے یہاں رباعیاں بہت زیادہ نہیں نہ وہ صرف رباعی گو شاعر تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس صنف سخن میں ایک خاص امتیازی رنگ رکھتے ہیں۔

ایمان کے ہاں تضمینیں بھی خوب ہیں۔ انھوں نے زیادہ تر سودا اور

قائم وغیرہ کی غزلوں پر مصرعے لگا کر مخمس بنائے ہیں۔ گرہ لگانے میں ان کو بڑی مہارت تھی۔ اکثر مصرعے بہت ہی اچھے بہم پہنچائے ہیں جو اپنی جگہ چسپاں نظر آتے ہیں۔

غزلیات میں ان کے ہاں عاشقانہ جذبات وکیفیات کی ترجمانی کے ساتھ کہیں کہیں پند و موعظت اور صوفیانہ خیالات کے اشعار بھی ملتے ہیں ان کے کلام کی بڑی خصوصیت جیسا کہ اوپر بھی بیان کیا گیا ہے صفائی اور سادگی ہے۔ انھیں زبان پر حاکمانہ عبور حاصل تھا۔ ان کے کلام میں تکرار و رکاکت اور تعقیدات لفظی نظر نہیں آتے۔ ان کے کلام کی نسبت بہت مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی دہلوی شاعر کا کلام نہیں بلکہ ایک دکنی شاعر کا کلام ہے۔ ایمان کے زمانے میں شمالی ہند اور دکن کی تحریری زبان میں بہت بڑی حد تک یکسانیت پیدا ہو گئی تھی۔ دہلی کی مرکزیت ختم ہونے کے بعد جب وہاں کے شعرا مختلف مقامات میں پھیل گئے اور زبان کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو دہلی کی زبان کو عام طور پر مقبولیت حاصل ہوئی۔

ایمان عموماً دلکش اور سلیس زمینیں اختیار کرتے ہیں کہیں کہیں مشکل اور بہت مشکل زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ روانی بیان اور بے تکلفی ادا میں فرق پیدا نہیں ہوا تشبیہہ و استعارہ کو ادبیات اور بالخصوص شاعری کا زیور بلکہ اس کی جان کہنا چاہیئے۔ ایمان نے

تشبیہات کے استعمال میں بڑی جدت طرازی اور خوش سلیقگی سے کام لیا ہے۔
ان کے ہاں بعض تشبیہیں ایسی بے ساختہ اور اچھوتی ہیں کہ تعریف نہیں
ہو سکتی۔ علاوہ ازیں کبھی وہ عام شعرا کی روش سے ہٹ کر بعض ملکی اور
مقامی تشبیہیں بھی استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے ایک اعلیٰ اور فطری
شاعر ہونے کا پتہ چلتا ہے غزلیات میں وہ دور از کار اور پیچ در پیچ تشبیہوں
کے استعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور ان کی اکثر تشبیہیں شگفتہ، نیچرل اور اصلیت
سے قریب ہوتی ہیں جس سے پڑھنے والے کا ذہن شاعر کے منشا کو بہت جلد
پہنچ جاتا ہے۔

تخلص کا نباہ جو متاخر شعرا میں مومن کا ایک امتیاز خاص
تھا، ایمان کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر اپنے تخلص کو اس طرح
بے تکلفی سے لے آتے ہیں کہ مقطع میں جان سی پڑ جاتی ہے۔

ایمان کا یہ زمانہ شعر و شاعری کی گرم بازاری اور شعرا کی
قدردانیوں کا زمانہ تھا۔ نواب میر نظام علی خاں بہادر کی شاہانہ
سرپرستیوں اور غیر معمولی داد و دہش کے علاوہ اس عہد کے امرا کی
شعرا نوازی کی بھی مثالیں مابعد زمانے میں کہیں نظر نہیں آتیں۔
اعظم الامرا ارسطو جاہ اور ان کے جانشین نواب میر عالم بہادر، مہاراجہ
چندولال شاداں اور دیگر امیروں نے علیٰ قدر مراتب شاعروں کی

قدر افزائی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ بعض اُمرا جیسے مہاراجہ چندو لال خود بھی بڑے شاعر تھے۔ وہ فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے دربار میں ہر وقت شاعروں کا جمگھٹا رہتا تھا اور خاص خاص مشاعروں کے علاوہ جن میں طرحی غزلیں پڑھی جاتی تھیں مختلف تقریبوں اور عیدوں وغیرہ کے موقع پر بلیغ قصیدے بھی پیش کئے جاتے تھے۔ ان قدر دانیوں سے حیدرآباد میں اچھے اچھے شاعر ہی نہیں پیدا ہوئے بلکہ گھر گھر شعر و شاعری کے چرچے ہونے لگے، بیرون حیدرآباد کے بیسیوں شعرا حیدرآباد کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ میر قمرالدین خان منت (۱۲۰۸) خواجہ احسن اللہ خاں بیان (۱۲۱۴) مرزا علی لطف مولف تذکرہ گلشن ہند (۱۲۳۰) حافظ تاج الدین مشتاق، اور میر دولت علی دولت شمالی ہند سے اسی دور میں حیدرآباد آئے اور یہاں کی سرپرستیوں سے نہال ہوئے۔ مرزا علی لطف کو سرکار سے چار سو روپیہ ماہوار کے علاوہ ایک پالکی بھی عطا کی گئی اور نواب ارسطو جاہ نے اپنے پاس سے ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ مقرر کردی تھی۔

حیدرآباد کے شاعروں میں ایمان (؟) ان کے مشہور شاگرد قلیس، حفیظ اور چندا کے علاوہ میر علی مردان خاں یکدل (۱۲۰۶) محمد علی نیاز (۱۲۱۰) نیاز محمد خاں نیاز (۱۲۱۱)، میر محمد ہاشم فقیر (۱۲۱۲) مرزا محمد جان نثار

(۱۲۱۲)، میر نجف علی خاں قدرت (۱۲۱۲) اور مرزا داؤد ہنر اس دور کے شعرا میں بہت مشہور تھے۔

دکن کی اردو شاعری میں یہ دور اس وجہ سے بھی خاص طور پر ممتاز ہے کہ کم و بیش اسی زمانے سے یہاں کے شاعروں نے دہلی کی زبان کو عام طور پر اختیار کرلیا اور قدیم دکنی الفاظ و محاورات ترک کردیئے۔ اس سے ماقبل زمانے میں نہ صرف یہیں بلکہ دہلی اور دوسرے شہروں میں جہاں شاعری کے چرچے تھے قدیم دکنی زبان ہی اردو شاعری کی زبان تھی۔ قدیم شعرائے دکن اور خصوصاً ولی کے کلام کی مقبولیت نے اسی زبان کو معیاری زبان بنادیا تھا۔ اور دہلی کے دور اول کے شعرا انہی الفاظ و محاورات کو استعمال کرتے تھے جو ولی کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں ہندی کے الفاظ اور تراکیب بھی خاصی تعداد میں ملتی ہیں لیکن بعد کو مرزا مظہر جان جاناں کی یہ تحریک کہ قدیم زبان دکنی محاورے اور ہندی الفاظ کی بجائے شاہجہاں آباد کی اردوئے معلی کو شاعری کی زبان بنایا جائے بہت مقبول ہوئی اور حیدرآباد میں ایمان اور ان کے معاصرین نے

اس کی اتباع کی اور یہی زبان آگے چل کر اور مقامی قیود
سے آزاد ہو کر سارے ہندوستان کی معیاری زبان بن گئی۔

انتخاب کلام

قصائد

فہرست قصائد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ در نعت سرور کائنات جناب رسول اکرم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم

ہر چند غرق ہم رہے جوں گوہر آب میں ۔۔۔ لیکن کبھو کیا نہیں دامن تر آب میں
ساقی نہیں ہے یہ گلِ نیلوفر آب میں ۔۔۔ رکھا ہے میکشی کے لئے ساغر آب میں
حیراں ہوں میں حباب کے ہر دم شعور پر ۔۔۔ خانہ خراب باندھے ہے اپنا گھر آب میں
سیراب یہ نہ جانیئے لالہ کا ہر ورق ۔۔۔ تر عاشقوں کے خون کا ہے محضر آب میں
سینہ کی یہ صفا ہے کہ آتا ہے دل نظر ۔۔۔ جیسے نظر پڑے ہے کہیں کنکر آب میں
ہر موج میں ہے جلوہ نسیم بہار کا ۔۔۔ کرتا ہے جب ثنا وہ چمن پیکر آب میں
ظالم مرا ہے نالۂ افسردہ اُس طرح ۔۔۔ شمشیر جیوں بجھاوے ہے آہنگر آب میں
ہر اک زبانِ موج سے تھا شورِ جوشِ عشق ۔۔۔ منصور کی جو ڈال دی خاکستر آب میں
ہے سیلِ اشک دیدۂ عشاق کو مفید ۔۔۔ تازہ رہے ہے جیسے گلِ عبہر آب میں
پروازِ مرغِ اوج ہوا پر فقط نہیں ۔۔۔ ماہی کو بھی خدا نے دیے ہیں پر آب میں
کشتی وہیں پہنچتی ہے چاہے جہاں خدا ۔۔۔ گر ناخدا ہزار رکھے لنگر آب میں
یوں جلوہ گر ہے آئینہ میں عکسِ خالِ یار ۔۔۔ جیسے ہو خوشنما گلِ نیلوفر آب میں
زائل کسو طرح نہ ہو قسمت سے تیرگی ۔۔۔ زنگی ہزار دھووے اگر پیکر آب میں
پہنچا تری ہی راہ سے آتش میں ہے بگیاں ۔۔۔ فرعون کا جو غرق ہوا لشکر آب میں

گویا زبانِ حال سے یہ سطرِ موج ہے
کب معنئ ثبات ہے نقش برآب میں

ایمان کیجیے ایسے شہنشاہ کی ثنا
لرزے ہے جس سے عکس شہ خاور آب میں

ہیبت سے جس کے عدل کے اب جس کے زیر و بر
رہتی ہے موج شام و سحر مضطر آب میں

یہ امن ہے کہ شیشۂ خالی حباب کا
پھوٹے نہ گر ہزار چلے سرصر آب میں

جس کے قدم شہود میں رکھتے ہی غیب سے
کسریٰ کا قصر بیٹھ گیا یکسر آب میں

یعنی رسول خاتم و محبوب ذوالجلال
تر سب ملل کا جس نے کیا دفتر آب میں

والیل جس کی زلف کی ہے شان میں نزول
ڈوبا اسی کی شرم سے جا عنبر آب میں

جاری ہو ایک نہر ہر انگشت سے وہیں
رکھے وہ اپنا پنجۂ معجز گر آب میں

شیریں ہے اس کے آبِ دہن سے یہ چاہ شور
گویا کہ گھول دی ہے ابھی شکر آب میں

بیشک اسی کے چشمۂ نوشیں کی شرم سے
ڈوبا ازل کے روز سے ہی کوثر آب میں

برسایہ اس کا ابر کرم ہے کہ آج تک
آب گہر صدف کا بھرے ساغر آب میں

جس کا یہ عدل ہے کہ ہر اک غوک ناتواں
تھدے متی نہنگ کے لٹے برآب میں

دریا ہو اس کے قہر کا ٹک موج زن کبھو
پل مارتے میں غرق ہو بحر و بر آب میں

ہوتا ہے آب تیغ رواں اس کا جس جگہ
مثل حباب بہتے ہیں لاکھوں سر آب میں

بخشا جواہر اس کے زبس دست فیض نے
نے لعل کان میں رہا ہے نے گوہر آب میں

دست حفاظت اس کا ہو سایہ فگن اگر
یاقوت کی طرح سے رہے اخگر آب میں

یا شافع امم یہ تمنا ہے بعد مرگ
رحمت کے غرق کیجو مجھے یکسر آب میں

درمنقبت مظہر العجائب والغرائب حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ

ساقی پلا شراب کہ ہے موسم بہار
دل چاہتا ہے کیجئے گلگشت لالہ زار

چاروں طرف سے ابر امنڈ آئے ہیں سیاہ
بجلی بھی تس پہ چمکے ہے جیوں تیغ آبدار

کوئل کا کوکنا ہے نپٹ ہی نشاط خیز
بن بن کے ناچتے ہیں گے طاؤس تاجدار

ہر گرد باد سبز ہے جیوں سرو بوستاں
از بسکہ کوہ و دشت میں ہے ابر فیض بار

اس سال یاں تلک ہے ہوا دلکشا کہ سبزہ پتھر کو پھوڑ نکلے ہے باہر ہر اک شرار

صحرا کے سبب پہاڑوں پہ کرتا ہوں میں نگاہ
گئی کئی طرح کا وہم گزرتا ہے بار بار

زنگار رنگ خیمے ہیں استادہ بے ستون
یا عکس آسماں کا ہوا ہے یہ آشکار

یا ابر ہیں زمیں پہ اتر آئے سیر کو
یا سبز ہو رہے ہیں سراپا یہ کوہسار

گلشن میں اس جہان کے تو آم ہیں عیش و طیش
گر حوض نہیں رہا ہے تو روتا ہے آبشار

سنبل ستاں کی لہروں سے ظلمات ہی نمود
جاری ہے آب حیواں سے ہر ایک جوئبار

رقصاں نہیں گلاب کا فوارہ باغ میں
الماس کے درخت نے موتی کا لایا بار

ہے آسمان پالکہ یہ منڈوا ہے تاک کا
یا کہکشاں کے پل میں ہی پروین خوشہ دار

غنچہ بھی اب شگفتہ دلی کی ہے فکر میں
گل بھی کرے ہے قہقہہ چاروں طرف ہزار

نرگس بھی آنکھ کھول کے گلشن میں چوطرف
خالی ہے جائے دیدۂ یہ کہتی ہی بار بار

چمپا، چنبیلی، سیوتی، شبو، گلاب کی
مہکار اس قدر ہے ہر ایک جائے بے شمار

آتا ہے جو کہ سیر کو کہتا ہے ہر گھڑی — گلشن ہے یا کہ یہ ہی خلد ہے یا ہے یہ تتار
شبنم کے آبِ پاک سے بلبل بھی کر وضو — پڑھتی تھی ہر سحر کو یہی شعر آبدار
بیٹھا ہے تختِ جشن پہ گل ہو کے تاجدار — قمری ہر اک نقیب ہے اور سرو چوبدار
رہتے ہیں ماہ و مہر تو نت ابر میں نہاں — ظاہر ہے تب بھی باغ میں کیا لیل کیا نہار
گل چاندنی سے رات کو ہے سیر چاندنی — سورج مکھی سے دن کے تئیں دھوپ آشکار
ایمان کیا بہار ہے گلشن میں اب کے سال — سوسن بھی اب زبان سے کہتی ہی یہ پکار
دولت چمن کی اور زیادہ ہو دمبدم — یا رب تو اُس سے دور ہی رکھ جور روزگار
پوچھا میں باغباں سے بتا تو سہی مجھے — کس کے ہے فیضِ علم سے یہ رنگِ نو بہار
کہنے لگا کہ کیا تجھے معلوم ہی نہیں — حق نے عطا کیا ہے جسے تیغ ذوالفقار
یہ سنتے ہی درود و تحیات بھیج کر — میں نے کہا جنابِ معلیٰ میں یہ پکار
عاجز ہوں روسیاہ ہوں مشکل کشائے من — مطلع یہ صدق دل ستی پڑھتا ہوں لاکھ بار

مطلع ثانی

بے شبہ جانتا ہوں کہ لے حق نے اقتدار — ساری خدائی میں تجھے ہے تیرا ہی اختیار
اک عمر سے غریق ہوں نیلِ گناہ میں — کشتی پھنسی ہی آن کے دریا میں مانجھ دہار
تیرے سوائے کوئی نہیں دادرس مجھے — اے ناخدائے نوح ستم اب لگا دے پار
دونوں جہاں میں آبرو رکھ لے غلام کی — اتنی ہی التجا ہی بہ حسنین و ہشت و چار

بندہ ہوں، کمترین ہوں، تیرا غلام ہوں — یا مرتضیٰ علی ولی، شیر کردگار
تیری سخا و جود کا میں کیا بیاں کروں — دستِ کرم کے آگے ہی نیساں بھی شرمسار
جیوں داغ و لالہ آتش و باروت ایک جا — تیرے کیا ہے عدل نے اے شاہ شہسوار
تیرے غضب کی دہاک سے ہو جاوے پل کے بیچ — ماہی سے لے کے عرش تلک رعشہ ایکبار
روز نبرد جب تری شمشیر ہو علم — فوج عدو پناہ نہ پاوے بجز فرار
گا ہے اگر مزاج میں ہو شوق امتحاں — الماس کے پہاڑ کو کافی ہی ایک وار
دُلدل کے تیرے جلدی کی تعریف کیا کروں — اُچکے ذرا ہی باگ اگر ہو کے تو سوار
پہنچا پلک کے مارتے پیکِ نظر کی طرح — لے کر زمیں سے تا بہ فلک ہے یہ آشکار
قوسِ قزح ہے لیزم و گولہ ہے آسماں — تعلیم تیری دیکھ کے حیراں ہے روزگار
مقدور کب ہی جن و بشر کی زباں کو — جو تیری منقبت میں کرے کچھ گہر نثار
فردوس تیرے دوست کا مسکن مدام ہی — دوزخ میں دشمنوں کا ہے تیرے ہمیشہ کار

—:(۰÷۰):—

جلوسِ آصفی

قصیدہ در مدح خسروِ کشور ششِ صوبہ دکن یعنی میر نظام علیخان بہادر

شکر للہ اب سعادت پر ہی دورِ آسماں — راحت و آرام سے معمور ہے سارا جہاں

دم کرے ہے چو طرف بادِ صبا افسونِ علیش — ہر سحر اقبال لاوے رونما آئینہ سال
کھولتی ہے شام بھی اب لف لیلائے مراد — جس کی بوئے روح پرور سے معطر مغزِ جاں
سبعہ سیارہ ہیں فرخندگی کی چال پر — ایک میں باقی نحوست کا نہیں ذرہ نشاں
کشتِ اُمیدِ خلایق سبز کرتا ہے زحل — مشتری بھی اب ہوا ہی قاضیِ امن و اماں
پیشۂ جلادی اپنا کر دیا بہرام ترک — پنجۂ خورشید ہی یک دست جگ پر زرفشاں
نغمہ آرائے نشاطِ عیش ہے ناہید بھی — اور عطارد ہے دبیرِ نامۂ عشرت نشاں
طے کرے ہی اب منازل یہ سعادت کے تمام — روز و شب درجہ بدرجہ ہر دقیقۂ ہر زماں
منقلب رفتار اپنی چھوڑ کر راس و ذنب — راہ پر آسے سعادت کی بسانِ راستاں
آبیارِ گلشنِ راحت ہوئے آبی بروج — اور خاکی بانیِ دولت سرائے جاوداں
شمع افروزی میں بزمِ عیش کے ہیں آتشی — اور بادی بھی ہوا دارِ معراجِ انس و جاں
شرق سے تا غرب خطِ استوا رکا حکم ہے — بس کہ ہی تابندہ یکساں آفتاب اندر جہاں
ایک ہیئت پر ہی سایہ کیا بعید و کیا قریب — فرقِ اصطرلاب سے ہووے نہ اب ذرہ عیاں
منبسط بے کیف و کم ہیں سب مرکب تا بسیط — یاں تلک ہے مستوی نبضِ زمانہ اب کہ واں
شیشۂ گردوں میں ہر دم زنگِ صافی موجزن — ہو گئے عالم سے اب آثارِ ردیہ نہاں
چار عنصر کو بہم پہنچا مزاجِ اعتدال — ہیں موالید ثلاثہ بھی سراپا شادماں
اس قدر پایا ہے تنقیہ دماغِ روزگار — جز رطوبت کے یبوست کا نہیں ہرگز نشاں
صبح کی مانند احیا اب ہوئے عظمِ رمیم — کارِ عالم میں ہے اعجازِ مسیحائی عیاں

شرح اسباب ملاقات اب کہاں تک کیجیے — جلوہ گر آیات صحت سے زمین تا آسماں

الغرض ایماں پوچھا میں نے پیر چرخ سے — کس کے ہی یہ عہد راحت عہد امن و اماں

سن کے اس نے مجھ سے بولا کیا تجھے معلوم نہیں — پرورش پایا ہی تو دولت سے جسکی آج واں

یعنی نواب سلیمان قدر و آصف جاہ عصر — عادل و اکرم نظام الملک عالی خانداں

سنتے ہی یہ نام اقدس میں کہا کیا پوچھنے — وہ کریم ابن کریم و بازوئے صاحب قراں

گوہر درج سیادت، اختر برج شرف — جوہر شمشیر جرات سر گروہ اشجعاں

ابتدا سے پرورش پایا ہی میرا گوشت پوست — مو بمو اس کے نمک سے اب تلک تا استخواں

گرچہ شعر و شاعری میں کچھ نہیں مجھ کو شعور — پر ادا کرتا ہوں میں حق نمک کو اب یہاں

سر فرد ہو کر شتاب اے خامۂ زریں نگار — مطلع انوار سا لکھ مطلع روشن بیاں

(مطلع)

تو ہے وہ مہر جہاں افروز دانا مہرباں — روز و شب تجھ سے منور ہے زمین تا آسماں

بادشاہی کیونکہ دیوے زیب افسر تجھے — چتر ہے سر پر ترے فضل خدا کا ہر زماں

پالکی کا بھی ترے ہی اس قدر پایہ بلند — ہے بجا کہئے اسے گر ہمسر تخت رواں

ذات عالی سے تری راضی ہیں عالم میں شہا — سے طیور و وحش و دام و دد سمیت انسان و جاں

دولت و حشمت تری مثل سلیماں کیوں نہ ہو — تجھ میں اور اس میں ہی یک فرق نبوت درمیاں

مدح تیری صرف میں لاوے نہ کوئی نحو سے — افعل التفضیل کے صیغہ کا عامل بھی یہاں

باندھے جو معروف مضموں تجھ ثنا و وصف میں — ہے مرے نزدیک وہ مجہول و مکسور اللساں

علم منطق تجھ صواب رائے کا ہی ایک جز — فکر میں تیری خطا کو رہ نہیں ہے بے گماں

ہی سخن موضوع میرا صدق سے ہر شکل میں — جا نہ ہو تا کہیں محمول بر کذب بیاں

میں لکھوں ہوں یہ مضامین بدیہی یک قلم — شعر میں میرے نہ پایا جائے نظری کا نشاں

ذات عالی سے تری بیش قیاس خاص و عام — بے گماں انسان کامل کا نتیجہ ہے عیاں

سرو کی مانند موزونی مری طینت میں ہے — طبع رنگین سے چلوں میں جیوں بہار گلستاں

خندۂ گل بھی تبسم سے ہے تیرے شرمسار — مدح خواں ہیں بلبل و قمری برنگ بندگاں

بادشاہِ ملک استغنا کرے محتاج کو — سایۂ عالی ترا ظل ہما ہے بے گماں

تھی اگر مشہور جرأت رستم و اسفندیار — طے کئے ہیں گے انھوں نے گو جہاں میں ہفت خواں

دبدبہ نے اسم کے تیرے کیا تسخیر اب — ہفت اقلیم زمیں سے لے کے تا ہفت آسماں

لالۂ گلرنگ میں جیسے سیاہی داغ کی — کرۂ آتش میں ہی باروت کو حفظ اماں

کون کر سکتا ہی سینہ کو صدف کے چاک اب — واسطے گوہر کے تیرے عہد میں ہے ابر فشاں

کیا بتاؤں جوہر برّش تری شمشیر کا — جس کے قبضہ میں ہی لیکر ہند سے تا اصفہاں

اس قدر ہی دبدبہ اس کا کہ شاہِ روم و زنگ — بھیجتے ہیں واسطے تیرے ہمیشہ ارمغاں

ذکر سے اس کے کٹا جاتا ہے دشمن سر بسر — رو برو ٹھیرے کبھو یکدم سو یہ طاقت کہاں

گر اسد، سرطان و جدی ثور کو باہم ملا — باندھئے جو رنگ چاروں کا برائے امتحاں

ٹک اشارہ ہی کرے جس وقت تو اک آن میں — تا سم گاو زمیں ہرگز نہ ٹھیرے درمیاں

کیا کروں وصف سپہر اور اس کے پھولوں کا بیاں — ابتدا جس کے نمونہ سے بنا ہے آسماں

کیوں نہ ہووے روز میدان ہمسر خیبر شہی — ہی جہاں کے بیچ وہ پشت و پناہ انس و جاں

کیا بتاؤں جو تجھے حق نے دیا ہے خلق و حلم ۔۔۔ آوے دشمن بھی ترے یاں یہ میں تو پاوے اماں

نقطۂ موہوم کا اک بار خط بندگی ۔۔۔ مرکز اقبال کو پہونچے اگر تیرے یہاں

سرفرازی پاوے تجھ سے اس قدر ہر شکل میں ۔۔۔ دائرہ تک چرخ کے فائز ہو بے ریب گماں

بیچ میزاں میں جو ہم سنگ جبال کائنات ۔۔۔ حلم کو تولیں اگر تیرے برائے امتحاں

حلم کا پلہ رہے قائم زمیں پر تا بحشر ۔۔۔ پلۂ کہسار پہونچے تا بہ ہفتم آسماں

جلوہ گر یوں حسن تیرا جب اکیلاں کھینچے ہی تو ۔۔۔ مہر برج قوس میں جس رنگ سے ہووے عیاں

فی المثل ہووے اگر الماس کا کوہ عظیم ۔۔۔ روبرو تو وہ کہے شے اے شہ گیتی ستاں

غرق ہووے تیر تیرا اس قدر پل مارتے ۔۔۔ جس طرح ذر نجف میں بال کا ہووے نشاں

جیوں پر جبرئیل از بس بے خطا ہے دہر میں ۔۔۔ ذرہ ذرہ سہم سے اس کے پکارے الاماں

جبکہ برج قوس میں تحویل ہو تیر فلک ۔۔۔ تجھ صفائے شست کی تعریف لکھا ہے وہاں

تیرے گلگوں کا لکھے جو ایک ذرہ حسن لطف ۔۔۔ میرے شبدیز قلم کی اس قدر طاقت کہاں

زین اس پر جب گھڑی کا مرصع کا بندھے ۔۔۔ تجھ سواری میں کرے بن بن کے یوں دیداریاں

تخت طاؤسی کہوں یا گردہ اسپ براق ۔۔۔ برق تازی کا تو اس کی مجھ سے ہو کیونکر بیاں

باگ کا ہلنا تو ہے دشوار جوں نور نظر ۔۔۔ جنبش مژگاں سے اڑ جاتا ہے وہ تا آسماں

نک بھالے کی زمیں پر ٹیک کر اے شہسوار ۔۔۔ ٹک اسے پلٹا کرے جس دم تو کاوے پر رواں

ہر پلٹ میں اس قدر شائستگی سے وہ پھرے ۔۔۔ گردش پرکار میں یہ حسن و یہ خوبی کہاں

چلتے ہیں تیرے جلو میں آفتاب و ماہتاب ۔۔۔ جس کو یہ باور نہ ہو وہ دیکھ لے تیرے نشاں

کیا کہوں اقبال تیرا دیں پناہا روز رزم
جلوہ گر میدان میں ہو وہ جب نشان زرفشاں

فوج اعدا کی سیاہی یوں چھپے پل مارتے
ظلمت خورشید سے جس طرح شب ہووے نہاں

جس کا نمونہ کبھو ہوتی نہیں صد فصل گل
کیا کروں رنگینی افواج کا تیری بیاں

موسم برسات میں جیسے امنڈتے ہیں سحاب
چو طرف سے دستہ دستہ اس طرح ہووے رواں

صدمۂ سم ستوراں سے لرزتی ہے زمیں
گرد لشکر سے ملے چشم کواکب آسماں

جن و انساں بولتے ہیں "فی الک یوم النشور"
شور جب دم کرنائے رزم کا ہووے عیاں

نقش ماراتش جہت میں یہ ترے اقبال نے
گر گیا منصوبہ نرّاد فلک کا تختہ ساں

روک ٹے تیرہ کو جیسا ششدر دنبالہ دار
اس طرح دشمن کو تیری فوج گھیرے درمیاں

بیدق شطرنج کیا رتبہ کو پہونچے شاہ کے
کج خرامی سے اگر فرزیں کا ہووے ہمعناں

جز دغل بازی نہیں تیرے عدو کی کچھ بساط
مات ہونے کے سوا رخ کو دکھاتا ہے کہاں

سر مخالف کا تراشے ہے ترا ایک غلام
تاج شاہی زیب دیتا ہے تجھ کو اے فخر زماں

آیہ نصرٌ من اللہ، سورہ فتح مبین
واسطے تا ابد کے تیرے ہمیشہ ہے عیاں

دشمنوں کے دمبدم پامال سر ہوں جوں حباب
فوج دریا موج تیری جس جگہ ہووے رواں

شادیانوں کی ترے پہونچی ہے نوبت یاں تلک
دلکشی کا ان کی آواز دیتا افلاکیاں

تو ہے خورشید اور عماری ہو ہے برج حمل
مثل ماہ نو کجک اور فیل گویا آسماں

کیوں نہ ہووے عید نوروز اس میں تجھ کو دیکھ کر
خلق کے تئیں اے شہ فرماں روائے انس و جاں

وہ عماری مکلّل اور فیل با شکوہ
وہ ستاروں کی چمک وہ زرد باجوں کہکشاں

بھول جائے دیکھ کر جس کو تری باغ ارم — اس قدر مشک پہ اس کی رنگ آمیزی کی شاں
عہدہ داروں سے جلو میں ہوں شگفتہ صد چمن — روبرو بجالے ہیں اس کے ہو بہو سرو رواں
اُس کے اب وصف و ثنا میں فکر قاصر ہو گئی — غیر اس مضموں کے ثنا کیا کہے میری زباں
گلشن کشمیر ہیں بنگلہ مرصع کار ہے — ہیئت مجموع سے یوں حسن اس کا ہے عیاں
ہے بجا مطبوع تجھ کو وہ عماری زرد فام — لون فاقع سے کیا اللہ نے جس کا بیاں
اُس عماری بیچ تجھ کو دیکھ ہاتھی پر سوار — کام کرتا ہے یہی وہم و خیال شاعراں
ذات والا ہے تری گویا کلیم بے نظیر — طور سینا فیل وہ رنگ تجلی ہے عیاں
جلوہ افروزی تری میں کیا کہوں ہودہ کے بیچ — ماہ تاباں جس طرح ہالے میں ہو بر آسماں
اور خواصی میں تری نور بہادر کی نشست — جس قدر ہے زیب افزا کیا کروں اس کا بیاں
بے شک و لاریب یہ برجیس و بہرام فلک — نیر اعظم سے پائے ہیں سعادت کے قراں
حشر تک یہ دولت و اقبال قائم کیوں نہ ہو — ہیں ترے اعیان و ارکان بہتر از سیارگاں
نامہ عالی پہ مہر خاص روشن مثل مہر — کب نہ ہو ممتاز منشی جیوں دبیر آسماں
بہتر از شان و شکوہ فرقب دان برج حوت — ہے سواری میں تری ماہی مراتب بیگماں
اس قدر رکھتے ہیں صولت ساتھ نقارے ترے — شور جن کا غلغلہ افگن ہے تا ہفت آسماں
ذکر تیری رزم کا جوں چاہئے کب ہو سکے — بزم آرائی کا تیری کیا کروں میں اب بیاں
جام جم ہو دیدہ لبریز حسرت جس کو دیکھ — خون دل "کاؤس و کے" پیویں حسد سے زرگراں
غیرت باغ ارم تیرا ہے وہ عشرت محل — جس کا ہر اک طاق رشک چشم ابروئے بتاں

شامیانہ ہو تری مسند پہ واں اس ٹھاٹ کا ۔۔۔ چتر شاہنشاہی میں یہ شان و شوکت ہے کہاں
اس قدر ہی جا بجا رنگیں لباسوں کا ہجوم ۔۔۔ جس طرف دیکھو تو ہے رشکِ بہارِ گلستاں
ہر جگہ ہے جشن کا آئین و قانونِ نشاط ۔۔۔ سازِ عشرت سے مہیا ہر محل و ہر مکاں
ہر روش اوپر خراماں ہیں بصد ناز و ادا ۔۔۔ گلبدن، غنچہ دہن، رشکِ پری، ہمسر رواں
اس قدر ہے شعلۂ آوازِ حسن دلفریب ۔۔۔ بھولتے ہیں شمع و گل کو بلبل و پروانہ یاں
دائرہ میں بزم کے ہر اک مقام اپنے کے بیچ ۔۔۔ تیری آہنگ نوازش سے ہی ہے بزم شادماں
جس گھڑی ہو تو مسندِ عالی پہ فرمائے جلوس ۔۔۔ دیکھ کر روشن ہو مہر و مہ سے چشمِ آسماں
ہمت عالی کی تیری مجھ سے کیا توصیف ہو ۔۔۔ بخش دیتا ہے اٹھا ادنیٰ کو گنجِ شائیگاں
اس قدر تیرے تئیں اللہ دریا دل کیا ۔۔۔ موتیوں سے جیوں صدف سائل کا بھر دیوے دہاں
بسکہ تیرے فیض نے بخشا یہاں تک لعل و در ۔۔۔ شرم سے اس رنگ کو پہونچے ہیں سارے بحر و کاں
خاک میں یک لخت بس گئے معدنِ الماس و لعل ۔۔۔ پانی پانی ہو گئے گوہر کے بحرِ بیکراں
تیرے بندوں کو نہیں اکسیرِ خالص سے غرض ۔۔۔ سنگِ پارس سے ترا بہتر ہے سنگِ آستاں
گر محاسب تجھ ثنا میں اب اقلِ مرتبہ ۔۔۔ ہر احاد اوپر بڑھا کر صفرِ ذراتِ جہاں
جز رو مد کرتا ہے اکثر وہ تا روزِ شمار ۔۔۔ تب بھی ہو سکتا نہیں عشرِ عشیر اس کا بیاں
نام رکھ کر اس قصیدہ کا "جلوسِ آصفی" ۔۔۔ دیں پناہا ختم کرتا ہوں دعا پہ یہ بیاں

دوستوں کا دیکھ تیرے منہ برنگ صبح عید
غرقِ حیرت دشمناں جوں دیدۂ قربانیاں

قصیدہ جشن شادی نوروز و سال گرہ

جہاں کے بیچ ہے اب نویدِ شہرۂ عام — کہ عشرت و طرب و عیش و راحت و آرام
شتاب آن کے حاضر ہوں بارگاہ کے بیچ — ہمیشہ شام سے تا صبح، صبح سے تا شام
ہے جشن سال گرہ آج اس شہنشہ کا — کہ جس جناب کا نہ پشت سے فلک ہی غلام
کریم ابن کریم اور فیض بخش جہاں — خجل ہے دیکھ کے نیساں بھی جس کا ابرِ کرام
ہمایوں اکبر و اسکندر و فریدوں تک — حضور اس کے جب آئیں ہیں بہر نذر تمام
ہزار داب سے ہی یہ صدائے جاہ و شاں — ادب سے دور سے ہٹ کر، ملاحظے سے سلام
نظیر ہووے نہ اس آفتاب کا پیدا — ہزار چرخ اگر گھما دے گردشِ ایام
اسی کی ذات مبارک سحاب رحمت ہے — کرم سے جس کے ہیں محفوظ سب خواص و عوام
وزیر اس کا جو مشہور ہے بلند مکان — صواب رائے ہیں دل جس کا مظہر الہام
رموز دانِ ریاست، دقیقہ یابِ جہاں — صواب دید سے اس کی ہی سلطنت کا نظام
سپاہ پرور و گیتی کشا و دشمن بند — امیر اعظم و نیکو شیم، مدارِ مہام
بسانِ بزم فریدوں و جشن جمشیدی — کیا یہ جشن ہے آراستہ بہ زینت تام
دو نور نور چراغاں و شمع کافوری — ہے رشک چرخ مقرنس ہر ایک رات مدام
ہزار چشم ستاروں سے کھولتا ہے سپہر — ہے بسکہ دید سے اس بزم کی اسے آرام
اس انجمن کی لکھوں کیا میں تو رہ افروزی — عجب نہیں ہے کہ روشن ہو دیدۂ بادام

زمیں سے تا بفلک ہی صدائے بلبل عیش　　برنگ گل ہے معطر سدا لباس انام

دماغ دہر نہ ہو کیونکہ سرخوش عشرت　　ہی رشک موج مئے رز، پریوشوں کا خرام

ہے آب گوہر و یاقوت موجزن ہر سو　　جواہر اس قدر عالم کو اب ہوا انعام

جو اس کا وزن ہوا ہے زر و جواہر میں　　میں اس وفور کی تفصیل کیا کروں ارقام

بجا ہے اس کو کہوں میں جو یوسف ثانی　　کنیز جس کی زلیخا سے دہر میں گی مدام

سبب یہ کہ وہ شہ عالم پناہ فیض رساں　　جہانیاں بھی ہیں سب اس کے جان و دل سے غلام

ہے خانہ زاد جو ایمان ہے گا موروثی　　کرے ہے اب تو دعائیہ پر یہ ختم کلام

وہ رشتہ سال گرہ کا ہو یارب اتنا دراز　　کہ عمر خضر ہو وابستہ ہر گرہ سے مدام

ہر ایک صبح بصدق و خلوص سے شاہا　　اسی دعا میں ہے تیرا یہ کمترین خدام

الٰہی تو ہو مسرت ہو اور دنیا ہو　　کہ تیری ذات مبارک سے ہی جہاں کا قیام
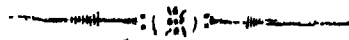
قصیدۂ بہاریہ جشن نوروز و سال گرہ میر نظام علیخان بہادر نظام الملک آصفجاہ

عجب بہار سے آیا ہے اب کے خرم سال　　زمانہ عیش و طرب سے ہوا ہے مالا مال

بیان شور نشاط و طرب کا کیا میں کروں　　کہ شرق و غرب سے لے کر ہے تا جنوب شمال

جدھر نگاہ کرو دستہ دستہ ہے گل عیش　　کہ رشک گلبن فردوس ہی ہر ایک نہال

ہزار رنگ سے ازبس کھلے ہیں غنچہ و گل
برنگ صحن چمن ہیں تمام دشت و جبال

بہار سے نہیں نسبت خزاں کو اتنی بھی
کہ رنگ کاہ ربا زرد ہو سو اب ہے محال

نظر سے غیب ہے وہ اور یہ ہے جلوہ فروز
چمن سے گلشن فردوس کو دیجیے مثال

زبس نسیم سحر آب و رنگ بخشے ہے
ہے برگ گل سے بھی سیراب تر ہر ایک نہال

ہوئے ہیں رشک گل سرخ اب طراوت سے
زمیں پہ جتنے تھے اس عصر میں سیاہ خال

نظر میں اتنا ہی دلکش ہے داغ لالہ کا
سیاہ عارض گل رخ پہ جیسے ہووے خال

چمن کے بیچ تو گلگشت کے لئے اب کے
ہر ایک سرو صنوبر نے کی ہے پیدا چال

برنگ غنچہ و گل ہر گرہ شگفتہ ہوئی
جو دیکھو دانۂ تسبیح تا بہ دانۂ خال

یہاں تک اب کے ہے فصل بہار عیش انگیز
کہ گل فشاں ہیں تبسم سے غنچوں کے اطفال

رکھیں ہیں عاشق و معشوق اتحاد اتنا
کہ طوق فاختہ ہے پائے سرو کی خلخال

زبس ہے نشو و نما کی بلند پروازی
عجب نہیں بط مے بھی نکالے اب پر و بال

رکھے ہے اتنی ہوا اعتدال کی تاثیر
نہیں ہے شمع کو آتش سے بیم اضمحلال

ہر ایک نقش سم اس کے سے نافہ ہو پیدا
جو شورہ زار میں سبزہ کوئی چرے ہی غزال

جدھر وہ جائے اُدھر سے تئیں نسیم ختن
پئے شمیم پھرے اُس غزال کے دنبال

رہا نہ فرق سا ازبسکہ رطب یابس میں
بسان شان عسل شہد ریزی غربال

طراوت اتنی ہی فیض ہوا سے عالم میں
ہر ایک سنگ سے جاری ہوا ہے آب زلال

جہاں تہاں ہے زبس شکل اجتماع فرح
ہوئے ہیں رشک گل اب داغ قرعۂ رمال

اگر نسیم سے چلے تلک بروئے خاکستر
تو حشر سوختگاں ہووے یوں بلا اہمال

ہزار نخل برومند کھینچے خاک سے سر
شگوفہ تا بہ ثمر گل کرے با ستعجال

زبسکہ خار سے ماہی کے گل ہووے پیدا
چمن کو بحر سے کرنا تمیز اب ہے محال

یہاں تلک ہے نسیم بہار گل افشاں
کہ وصف باغ میں سوسن کی اب زباں ہے لال

بصد ہزار نشاط و طرب گلستاں میں
ہر ایک شاخ پہ ہے بلبلوں کا اب یہ مقال

شرف میں آج ہی خورشید شاہ میزاں میں
زہے ہمایوں و ساعت زہے مبارک فال

بہم ہے شادی نوروز و جشن سالگرہ
بہ بارگاہ حشم فیض و عدل خصال

سو وہ نظام علی فتح جنگ آصف جاہ
بلند جس کا ہی جمشید سے بھی جاہ و جلال

کرم سے اُس کے خلایق کی زندگانی ہے
جہانیاں کا ہے ازبسکہ قبلۂ آمال

سوار جب ہو وہ رخش فلک خرام اوپر
چلے رکاب میں اُس کے بہ اعتقاد ہلال

شکوہ و شان یہ اس کے حضور اقدس کا
جلوس جب وہ کرے ہی بہ مسند اجلال

ادب سے سر بگریباں و دست بستہ مدام
کھڑے ہوں قیصر و فغفور در صف نعال

نہ ہو سکے ہمت عالی کا اُس کی مجھ سے وصف
کہاں یہ حوصلہ مجھ کو ہی اور کب یہ مجال

کہ جیب خاص کا اس کی ہی خرچ یک روزہ
جو کچھ ہی حاصل ہندوستاں کا مال و منال

دو لب ہی قدر شناس اور راز دان ضمیر
نہ کھولے لب کو کوئی مستمند اگر بہ سوال

ہنوز فیض قدمبوس تک نہیں پہنچا
کہ اس کے دل کی یہ آئی ہے آرزو فی الحال

کروں بیاں عنایت میں اس کا اب کیا کیا
ہوئی نگاہ کرم جس پہ ہو گیا وہ نہال

تمام عمر وہ پھر منہ سے لعل اوگلے ہے | جسے زراہ نوازش کبھو ملے ہو اوگال

سر پر وہ تاج کو زینت ہو ذات اعلیٰ سے | کنیز دولت دنیا ہے اور غلام اقبال

وزیر اس کا جو ہے بے نظیر والاشان | شجاع و عالم و مجموعۂ تمام و کمال

اُسی کی ذات سے ہو انتظام دولت و ملک | اُسی کی رائے سے ہو سلطنت کو استقلال

خیال اس کا چلے جس طرف سپے ادراک | تو شاہدان ضمایر کرے ہیں استقبال

بیاں نہ اس کی ہو کچھ سے فصاحت تقریر | زباں ہے جس کی تراوش کرے ہو سحر حلال

سحاب فیض کی اس کے یہ آبیاری ہو | کہ سبزہ جوں پر طوطی ہو مزرع آمال

وہ سیجئے وزن مبارک میں لب سخن سنجی | کہ پہنچے جس سے نہ پاسنگ کو کلیم و کمال

کرے ہو اس کا تو شاہین سکا زشہر فلک | بوقت وزن یہ میزان کو ہوئے عز و جلال

ہر ایک ڈوری ہو اس کی جو رشک خط شعاع | ہر ایک کفہ کو خورشید و ماہ کیجیے خیال

وہ پلہ جس میں ہو دولت ہو رونق افروز جو | بجا ہے گر چہ پہ چڑھ آویں دول جو اس کو مثال

ہزار دانۂ یاقوت کی سینے بیچ | وہ سلک سال کی گرہ دیں ہو اس طرح کا کمال

حیات خضر ہو وابستہ ہر گرہ کے ساتھ | گرہ جو سال گرہ میں پڑے ہو سال بسال

بس آگے عرض کی قدرت نہیں یہی شاہا | کہ صبح و شام ہیں ایمان کو یہی اشغال

الٰہی تو ہو مسرت ہو اور دنیا ہو | جہاں کے بیچ با فضال ایزد متعال

یہ دونوں جشن ہیں قایم زمانے میں جب تک | رہیں یہ شاہ و وزیر آفتاب و ماہ مثال

یہی دعا ہے بحق نبی و علی ولی | کہ سرفراز رہیں دوست و دشمن پامال

قصیدۂ مہتابیہ در مدح وزیر نظام علیخاں بہادر نظام الملک آصفجاہ

ہوا ہے آج کی شب ماہتاب کا یہ نور
کہ شش جہت کو جو دیکھو ہے ایک عالم نور

زمیں جو دیکھو تو ہے خوانِ نقرئی گویا
ہے آسماں سے بھی سرپوشِ نقرئی کا ظہور

ہے بسکہ دامنِ صحرا پہ نورپاشیٔ ماہ
ہر ایک کوہ ہوا کوہِ برف سے مشہور

فلک پہ گویا ہزاروں ہلال ہیں پیدا
جو دیکھو بحر میں کشتی سے تاجروں کا عبور

برنگ برق ہے ہر ایک موجِ تابندہ
بسانِ ہالہ ہے گرداب بے قصور و فتور

ہوا ہے نورِ مہ اب جذب اس قدر بر میں
کہ ایک تختۂ الماس ہے نگہ کے حضور

اثر تجلی کا ہے یہ کہ مثلِ بوتیمار
سفید زاغ سے لے کر ہوئے ہیں تا عصفور

نہیں ہیں روم سے کم رو سفید زنگیاں
بدن پہ گویا زمانہ کے ہے ملا کافور

ہوا پہ جیسے ستاروں کے چھوٹتے ہیں گنج
تلک آشیانوں سے پرواز کر رہیں ہیں طیور

بغیر کرمک شب تاب اب نہ ہو پیدا
جہاں کے بیچ ہے جس جائے خانۂ زنبور

ہے نور پاش زبس ماہتاب عالم میں
بنے ہے سلک گہر جب چلے قطارۂ مور

ہر ایک سنگ بھی شیشہ کا ہو گیا فانوس
شرار اس میں ہے جوں شمع روشن کا نور

زمیں سے تا بہ در و بام نورِ ماہ سے اب
ہے کار نقرۂ محلول بے فتور و قصور

ہر ایک قصر ہے آئینہ خانہ کا ہم چشم
ہوا ہے خاک سے زنگار اس قدر اب دور

چمن کے بیچ جو دیکھو تو یہ شگوفہ ہے
کہ ہر درخت ہوا ار دکش درخت بلور

ثمر درختوں پر اس طرح زیب دیتے ہیں ۔۔۔ کہ آسماں پہ ہو تاروں کا جس طرح سے ظہور
ہے تار سنبل تر وہ منقش سیمیں ۔۔۔ کہ جس کے رشک سے ہے پیچ پیچ گیسوئے حور
ہے بید مجنوں کا عالم مثال فوارہ ۔۔۔ ہوا ہے سرو سہی رشک نخل قد طور
ہر ایک تاک کی ہے شاخ مثل کاہ کشاں ۔۔۔ بسان غنچہ پروین ہے خوشۂ انگور
ہر ایک نہر ہے اب جوئے شیر کے ہم رنگ ۔۔۔ ہے رشک چشمۂ سیماب حوض آب طہور
ہوے نہ لالہ و سوسن ہی یاسمین سے بدل ۔۔۔ ہر ایک گل سے ہے نسرین و نسترن کا ظہور
شگفتہ ہوئے گل اشرفی سے اودی ۔۔۔ جہاں تہاں گل مہتاب کا ہوا ب یہ فور
فقط نہ جلوۂ طوبیٰ ہے ہر درخت اوپر ۔۔۔ ہے برگ برگ درخشندہ مثل عارض حور
ہوا کمانچہ بھی روشن ہلال کی مانند ۔۔۔ ہے رشک کاہ کشاں بزم میں ہر اک طنبور
ہے قرص بدر کی رو کش سیاہی مردم ۔۔۔ ہر ایک زہرہ جبیں ہو گئی سراپا نور
ہر ایک ساقی مہتاب رو کے اب آگے ۔۔۔ دھرا ہے شیشۂ الماس کا رو جام بلور
زمیں جہاں کے ہے مہتاب شست شو کے بیچ ۔۔۔ نہیں غبار کا خاطر پہ اب کہیں مذکور
طلسم خال بتاں گنجد مقفشر ہے ۔۔۔ سواد سایہ بھی دھو یا گیا باین دستور
نظر میں آدے وہ ہر اک سفید بادلہ پوش ۔۔۔ کسی بھی رنگ کا پہنے لباس اناث و ذکور
لکھوں کچھ اور بھی ایمان آب گوہر سے ۔۔۔ جو ہوئے خانۂ الماس اور لوح بلور
کہ یک لطیفۂ مضمون خاص کا اظہار ۔۔۔ ہے ایسی طرز کی تمہید سے مجھے منظور
کہ فیض عام ہے یہ ایک روشن اختر کا ۔۔۔ ہیں جس کے عہد میں اب شاد کام سب جمہور

امیر اعظم و عالی جناب والاشان — وزیر شاہ دکن فخر قیصر و فغفور
بہ بزم ثانی جمشید و کیقباد نسب — بروز رزم و معارک مظفر و منصور
بہ بذل مثل فریدوں بمعدلت کسریٰ — جہاں کشائی میں مثل سکندر و تیمور
کسے ہے آنکھ ملانے کی طاقت و یارا — ہیں اس کے روبرو سب سر بہ جیب اہل غرور
رموزدانی کا اس کی ہو مجھ سے وصف کیا — خدا نے جس کو عنایت کیا ہے فہم و شعور
ضمیر اس کے پہ اسرار منکشف ہیں یوں — جو سال و ماہ میں ظاہر جہاں میں ہوں گے ورود
کہ جیسے سیر کواکب سے رصد و آثار — تمام ذہن منجم میں رہتے ہیں محصور
بیاں کا تب اسے سے کچھ سمجھتا ہے — معانی خامہ تقدیر میں جو ہے مستور
تسلی ہوتی ہے یہاں کس کو ہیچ غائب ہے — ہو جبہ سائی سے اُسکے خامہ باریاب حضور

مطلع ثانی

سپہر اوج دولت تشبیہ کا ستیشہ مقدر — ضمیر پاک ہے جام جہاں نما مشہور
پہنچ ہے تجھ کو ہی فیروزمندی عالم — رقم ہوا ہے ترے نام سے ہی یہ منشور
خدا ہے اس کا نہ سکتے جس میں کیا کروں الفت وصا — تجھ ہی سے آبرو پاتے ہیں سلطنت کے امور
کرے ہے پرورش ساکنان ہفت اقلیم — خدا نے تجھ کو اسی کام پر کیا مامور
ترا ہی پنجۂ بخشش نہیں کم از نیساں — کہ جوں صدف ہے کف سائل آج سے ہی معمور
ترے کرم کا وہ دریا ہے بیکراں جس سے — کرے شناور وہم و گماں بھی ہو نہ عبور

کمان و تیغ و سپر فیل و باد پا تیرا
ہلال و برق و سحاب و سرو نیم سحور

اب اس جناب کا کب مجھ سے ہو سکے ہے وصف
کہ شاعران زماں کا ہے فہم یاں معذور

بصد عقیدت و داد آپ کو کورنش و تسلیم
ادائے تہنیت عید اب مجھے ہے ضرور

مطلع

ہے آج وہ تری دولت سرا میں جشن و سرور
کہ خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں قیصر و فغفور

نہ ہووے کیونکہ وہاں ماہتاب پا انداز
کہیں ہے مسند زریں کہیں ہے فرش سمور

وہ شیشہ خانہ ہے یار دلکش یہی خانہ
کہ ایک عکس کرے صد ہزار جائے ظہور

تجھے یہ مسند اقبال دیکھ جلوہ فروز
گل بہار کی مانند خرم و مسرور

برائے تہنیت و نذر راجہ و نواب
بصد نیاز عقیدت ہوں باریاب حضور

ہر ایک عید کو لے مہر و ماہ نے زر و سیم
دکھائے نذر ہے تجھ کو ادب سے ہٹ کر دور

یہ تیرا رتبہ خدا کا کہ بجز نگاہ کرم
کبھو نہ ہاتھ سے اپنے اٹھائے اُن کی نذر

تو بسکہ مجمع خوبی ہے بے عدیل نظیر
ترے کمال کی تحریر کا کسے مقدور

دعا پہ ختم میں کرتا ہوں اب قصیدہ کو
الٰہی تا رہے یہ گردش سنین و شہور

برنگ صبح رہیں رو سفید تیرے دوست
سیاہ بخت عدو ہو ویں جیوں شب دیجور

۵۶

قصیدہ در مدح نواب سردار الملک بہادر یعنی گھانسی میاں ہمراہی نواب شمس الدولہ بہادر

نیلم کے سر پر اوپر بیٹھا جو شہ خاور — اور سر پہ رکھا زریں بند عجب افسر

بھاگی سپہ زنگ اور وہی ڈال سپر منے — پوشیدہ ہوئے جا کر شب گرد جو تھے اختر

ٹک صبح کے دم بھرتے یک تبہ ہی اٹھ گئی — منہ پر سے زمانے کے وہ غالیہ گوں چادر

گل ریز ہی ہر سوسن نسریں ہی بہار افزا — کافور کے جلوے سے محجوب ہوا عنبر

آفاق کا سب عرصہ یک دست ہوا روشن — زر پاش ہوا پنجہ جب اس کا زمانے پر

پھر فیض لگے پانے جو جوہر قابل تھے — زر خاک ہوئی کیسر اور سنگ ہوا احمر

ذرات کی بھی رتی چمکے ہی ہر جانب — شبنم کا بھی اب رتبہ پہنچا ہے فلک اُپر

دروازے خلائق کی آنکھوں کے کھلے ہر سو — اور قصر فلک کے بھی وا ہو گئے سب منظر

اس کا رخ متغیر ہیں وہ رنگ ہوئے تازہ — ہیں دیکھ کے سب حیراں نقاش سے تا زرگر

خوبوں نے بھی رو تازہ دیکھا جو زمانے کا — آئینہ کو دھر آگے ہر ہفت کیا زیور

انعام جو آن گلشن کو ملا یاں تک — پایا ہے زر خالص ہر گل نے طبق بھر بھر

خورشید کے پرتو سے طفلان حبابی کو — زریں کلاہی کا ہے ناز لب جو پر

لے باغ سے تا صحرا مت جانیو شبنم ہے — یہ فیض سحر نے ہی بخشے ہیں دُر و گوہر

گلگون صبا گرچہ ہے گشت میں اب لیکن — غنچہ کا چٹکنا بھی کوڑا ہے گویا اس پر
مے خانۂ عالم میں اب دور صبوحی ہے — مینا سے پری نکلی مستوں میں چلا ساغر
مرغان چمن دلکش کرتے ہیں غزل خوانی — غنچے ہیں تبسم میں، خنداں ہیں گل اب یکسر
یاقوت کی فنجاں کو ادھر لیا لالہ نے — اور ساغر زر بر کف اودھر ہے گل عبہر
کس زلف کے تئیں پہنچے ہی سلسلہ اب اس کا — دیتی ہے صبا ہر دم جو رایحۂ عنبر
اب صبح بہاری کا یہ فیض ہے عالم میں — جو کچھ میں کہوں تجھ سے کیجو تو اُسے باور
ہے شعلۂ دود اس میں مانند گل و سنبل — گلدان کے، روکش ہیں ہر ایک جگہ مجمر
یہ سب شہ خاور کی دولت سے مرفہ ہیں — ہے ذرہ خاکی سے تا قرص مہ انور
سختی سے گزرتی نت اوقات ہنرمند کی — ہوتا نہ اگر جگ میں وہ ایک کرم گستر
نواب فلک قدر و فیاض زماں جس کا — آفاق میں سردار الدولہ ہی خطاب اظہر
اس دور میں سب اس کو کہتے ہیں حبیب اللہ — از بسکہ سخی ایسا دیکھا نہ جہاں پرور
ایمان مجھے واجب ہے مدح و ثنا اس کی — ہر لطف و عنایت کا اللہ کے وہ مظہر
اب پڑھئے حضور اس کے اس مطلع رنگیں کو — ہو جاوے رخ حاسد سنتے ہی جسے اصفر

مطلع ثانی

وہ ابر کرم تیرا نیساں سے ہی جو بہتر — داماں گدا کر دے یکدم میں پُر از گوہر
وہ حاتم دوراں ہی نواب کے زمانہ میں — آگے تری ہمت کے ہی لعل بھی جوں کنکر

یکساں ہی تیرے آگے لے دوست سے تا دشمن / اخلاق و کرم تیرا جاری ہی سدا سب پر
لے کر بنی آدم سے تا غنچہ و گل ہم نے / دیکھا نہ کوئی مفلس دیکھا نہ کوئی بے زر
کچھ ہند نہ اب تجھ سے ہے ممنون نوازش ہی / آوازہ کرم کا ہے عالم میں بہر کشور
تنہا نہ غلام اب ہے اقلیم حبش تیرا / شرمندۂ احساں ہی فغفور سے تا قیصر
انعام کی ہے مانند خلقت کے تئیں تو نے / بخشے ہے سدا فیل و اسپ و شتر و اشتر
تجھ عدل کی ہیبت سے اب مور کو رکھا ہے / مژگاں کی طرح اپنی آنکھوں پہ سدا اژدر
گر کوہ کمر باندھے ٹک کاہ کی ایذا کو / تجھ برق غضب سے ہو جل کر وہیں خاکستر
تجھ عہد میں رہتے ہیں ہم خانہ بصد الفت / لے شیر سے تا آہو اور باز سے تا تیتر
تو دین محمد کے انصار سے ہے از بس / ہے نام ترا روشن محراب سے تا منبر
خوش ظاہر و خوش باطن خوش خلق تو ہی اتنا / ہیں دل سے فدا تجھ پر آفاق کے سب دلبر
اب وصف شجاعت میں تیرے وہ پڑھو مطلع / فق ہووے جسے سن کر ہر ایک نبرد آور

مطلع

ہو رزم میں گر رستم بھی تجھ سے نہ کبھو سر بر / ہی تو صف مرداں میں ہم شیر و ہم صفدر
رویں تن اگر آوے کیا تاب کہ دم مارے / ہے گیو و بیژن بیرزو ہر ایک ترا چاکر
خورشید صفت یکتا تو ہی وہ بہادر ہے / ہووے نہ بیاں تیری شمشیر کا اب جوہر
میداں میں اگر ہووے وہ سایہ فگن یکدم / واں خاک سے ہو پیدا سبزے کی جگہ نشتر

گر پاس ترے دشمن کے فرض کیا میں نے — فولاد کا ہو مغفر، فولاد کا ہو بکتر
فولاد کے پاکھر سے پھر غرق سراپا تک — ہو اس کی سواری میں اک فیل فلک پیکر
جب کھینچ کمر سے تو چھوڑے سپر دشمن پر — یکدم میں دو حصہ ہوتا ناخن نیل آکر
میدان میں ہو جس دم شمشیر علم تیری — یک بار زمانہ بھی ہو جاوے ہیں ششدر
خورشید ہی ازبسکہ تو اوج سعادت کا — تجھ ہاتھ میں ہی نیزہ محمود خطا و محور
قبضے میں ترے ایسا ہی فن کمانداری — جیوں قوس قزح اس کا رتبہ ہی فلک اوپر
تشبیہ کماں تیری رکھتی ہی مہ نو سے — خورشید کے جلوہ سے ترکش ہی ترا ہمسر
گر شست کی صافی سے لکت تیری بیاں کیجیے — بہرام، عطارد تک ہوں حلقہ بگوش آکر
غربال بنا دیوے کہسار کے سینہ کو — تو چھاپے تیر دوری جس وقت نشانہ پر
ہو رشک تمن تیری افواج کا ہر دستہ — امواج سے دریا کے افزود ترا لشکر
پیرو ہی سدا اس کی یہ باد بہاری بھی — وہ تیری سواری میں گلگوں ہی پری پیکر
شبنم کی طرح اس کے ہر قطرہ پسینہ کا — اڑ جاوے فلک اوپر ہر چند کہ ہی بے پر
کوئی رشحہ زمیں پر جو ٹپکے ہی کبھو اس کا — سیماب صفت وہ بھی رہتا ہی سدا مضطر
سرگرم وہ کاٹے پر جس وقت کہ ہوتا ہی — جوں شعلہ جوالہ پھرتا ہے ہوا اوپر
اس برق صفت کو تو پلہ سرا گر دیکھے — پھر گرد کو بھی اس کے پہنچے نہ کبھو صرصر
ہمہ فیل سواری کی کیا شان کہوں تیری — افلاک کہو دی کا ہی ایک وہی ہمسر
وہ قطرہ کن اب ہوئے جولاں بہ سیاہ جس دم — دانتوں سے دہیں چمکے وہ برق ہم پیکر

خرطوم کہوں اس کی یا نیل کا یہ دریا
جاری ہے فلک پر سے یہاں رشتے زمیں اوپر

ہووے میں اگر رونق افروز تو ہو اس کے
ہالہ میں فلک اوپر ہے گویا مہ انور

مداحی تری رتبہ میرا نہیں پر نسبت
رکھتا ہے سلیماں سے ہر مور چہ لاغر

جو میرے دہن سے ہی تجھ وصف میں دُر ریز
یوں آوے صدف سے بھی گوہر نہ کبھو باہر

اب مدح و ثنا تیری تحریر اگر کیجے
افلاک کا بھی کافی ہووے نہ کبھو دفتر

ہے ختم دُعا اوپر اب نظم سخن یارب
یہ نام رہے قائم تا صبح دم محشر

ہر وقت احبا کو ہو فتح و ظفر روزی
حلقوم پر اعدا کے پھرتا رہے نت خنجر

قصیدہ شادی بادشاہ دکن نواب میر اکبر علیخان بہادر نظام الملک آصفجاہ بہ جہان تیرورگم

جہاں کے بیچ دہ آئی ہی اب کے فصل بہار
کھلے ہیں لالہ و گل چو طرف ہزار ہزار

فلک کے آینہ میں ہو نمود عکس شفق
ہوا کے ساتھ زمیں سے اگر اٹھے ہی غبار

زبس زمانہ میں شبنم کی دُر فشانی ہے
نصیب سبزۂ خوابیدہ کے ہوئے بیدار

ہر ایک غنچہ سے از بسکہ رنگ پاشی ہے
ہوا ہے مثل چمن سُرخ دامن کہسار

غرض بجا ہے یہ فصل بہار کی افراط
نہ کیوں ہو رشک رگ گل چمن میں ہر کا خار

ہے اس مخدرۂ عزّ و جاہ کی شادی — ہر اک کنیز ہے جس کی پری شیریں کار
حریم حرمت و عفت کی ہے وہ حجلہ نشین — جہان پاک کی ہے بانوے ستودہ شعار
مجال کیا ہے کہ اک برگ گل کو جنبش ہو — صبا ادب سے محل میں کرے ہے اُس کے گزار
وہ آب شمع شبستانِ جاہ و عزت ہے — نہ پہنچے پرتو خورشید و مہ وہاں زنہار
کوئی نہ زلف کا محرم ہے اُس کی جز شانہ — سوائے آئینہ اس کا نہ دیکھا کوئی دیدار
اگرچہ ہے صدف خسروی کی دُرِّ یتیم — پر اس کا دادا ہے فخر کیان بلند تبار
امیر اعظم و عالی جناب والا شان — وزیر شاہ دکن مہر آسمان وقار
دیا ہے اس کو یہ شہزادۂ سکندر جاہ — کہ ہووے ماہ کو خورشید سے حصول انوار
نہ پہنچے جس کے تجمل کو جشن جمشیدی — کیا عروس کا سامان اس قدر تیار
سنا اگرچہ ہے سابق میں جشن نوشاہ — پر اس کی گرد کو پہنچے نہیں ہے وہ زنہار
سحر شگفتہ چمن شام رشکِ شہر ختن — کہ پیر چرخ نے دیکھا نہ تھا یہ لیل و نہار
کہوں میں خانۂ شادی کہ رشکِ باغ ارم — کہ بہتر از خط و خال بتاں ہے نقش و نگار
وہ بوٹی دار ہر اک جائے فرش قالیں ہے — جدھر نظر کرو ادھر چمن چمن ہے بہار
کہیں بلور کی قندیل اور کہیں فانوس — نہ قمقموں کا دھندس سے ہو سکے ہے شمار
نہیں فلک پہ ستارے، یہ داغ حسرت ہیں — ہوا ہے بسکہ شبستانِ عیش پُر انوار
ہوئی ہے رشک رُخ زر فشانِ ماہ وشان — وفور نور چراغاں سے ہر در و دیوار
مدام بزم میں رامشگرانِ زہرہ نوا — لے آویں دل کو فرشتوں کے آسماں سے اُتار
کوئی ستارہ جبیں اور کوئی ہے ماہِ لقا — کہیں ہے نغمۂ دلکش کہیں ہیں ناخن و تار

نہ کیوں ہو گلشن کشمیر دیکھ کر حیراں
کہ غنچے ہوتے ہزار دل ہی جیب گلاب کے ہار

یہ انجمن ہے معطر کہ بوئے عنبر و مشک
کرے ہے آن کے دریوزہ واں نسیم بہار

یہ وہ ہے جشن کہ جس پر طبق طبق زر و سیم
نثار کرتے ہیں خورشید و ماہ لیل و نہار

شب حنا کی بیاں ہو نہ مجھ سے رنگینی
کہ ایک دست چمن تھا محلہ و بازار

کہوں سواری مہندی کی کیا میں شوکت شاں
چمن میں جیسے گل افشاں چلی ہے باد بہار

نشان وہ کہ نشاں جس میں اسم اعظم کا
سپر کہ صورت اللہ جس سے ہو اظہار

جدھر کو دیکھو تو ہے دستہ دستہ لالہ و گل
کہ سرخ پوش ہوئے کل پیادے اور اسوار

بسان مہر ہیں فیلان آسمان شاں پر
پہن کے خلعت زریں کو سینکڑوں سردار

نظر پڑے تھا وہاں معجزہ نبوت کا
جہاں کہ نور فشاں تھے درخت آتش بار

میں کس طرح نہ کہوں اس کو باغ ابراہیم
کہ ایک آن میں آتش کا ہو گیا گلزار

صدائے نوبت شاہانہ اس قدر دلکش
کہ ہو دیں طوطی و بلبل ہزار جاں سے نثار

غریو کوس و کور جلاجل و کرنائے
کرے ہے ہفت فلک سے بھی اس طرف کو گذار

میں کس زباں سے کروں اب بیان آرائش
خجل ہو باغ ارم جھینپتی ہے جس سے بہار

ہزار رنگ کے گل اور ہزار شکل کے نخل
جدھر نظر کرو اودھر چمن چمن گلزار

کہیں ہے تختہ نرگس کہیں کنول روشن
کہیں ہیں سرو و صنوبر کہیں درخت انار

رواں جلو میں ہزاروں ہیں مشعل و مہتاب
فلک نجوم سے جس کا ہوا ہے آئینہ دار

ہجوم نور سے پر مارنا فرشتوں کو
ہوا تھا رستے ہوا پر فلک تلک دشوار

بیاں شان ہو اب تجھ سے وضع ہندی کی ۔۔۔ کہ جس قدر تھی تجمل سے اس کی واں رفتار

کہوں میں اس کو نہ زنہار تخت طاؤسی ۔۔۔ کہ ایک جھاڑ تھا الماس کا مرصع کار

دریچے کھول کے قصر فلک کے حور و ملک ۔۔۔ زمیں کو جھانک رہے تھے کہ ہے عجب بہار

عطا و بذل کیا وہ جہیز شاہانہ ۔۔۔ کہ جس کا ہو نہ محاسب سے فہم کے بھی شمار

پر از نفائس روئے زمیں تحائف دہر ۔۔۔ ہزار فیل فلک ساں طلا کے سلسلہ دار

تمام ساز طلا کار و صندلیں پالاں ۔۔۔ حریر و اطلس و دیبائے خوش قماش دیار

ہزار درج گہر برج کوکب رخشاں ۔۔۔ پر از جواہر رنگیں و گوہر شہوار

فلک کے جیسے ستاروں کا ہو سکے نہ حساب ۔۔۔ ظروف سیمیں زریں کے سینکڑوں انبار

براق چہرہ و فولاد نعل و برق شتاب ۔۔۔ ہزار اسپ مرصع لجام و خوش رفتار

نمود ہودج زریں کی پشت فیل پہ یوں ۔۔۔ فلک پہ جیسے ہو برج حمل بہ فصل بہار

خجل ہوں جس سے کہ خورشید کے خطوط شعاع ۔۔۔ پڑی وہ دوڑ تھی ریشم کی اس پہ زریں کار

وہ کج کلاہ ہیں یکسر غلام غلمان چہر ۔۔۔ نظیر جن کا نہیں تا بہ چین و روم و تتار

کنیزیں غرق جواہر ہیں جو سراپا ہیں ۔۔۔ کوئی ہے حور لقا اور کوئی پری رخسار

یہ تھا وہ تخت عروسی کہ دیکھ کر جس کو ۔۔۔ کہا فلک نے کہ بلقیس لاکھ بار پکار

اور اس پہ سایہ فگن وہ جو شامیانہ ہے ۔۔۔ نہ پہنچے چتر بھی جمشید کا اسے زنہار

کرے ہے ختم اب ایماں اس قصیدہ کو ۔۔۔ دعائے خیر پہ اے قدردان بذل شعار

تو قائم اس کے رہے سر پہ نخل طوبیٰ سا ۔۔۔ وہ تیرے سایہ عالی میں ہووے برخوردار

قصیدہ جشن سالگرہ بہ اعظم الامرا بہادر گورنر اینڈ بنام سلیمان جاہ

شکر خدا بہار ہے، عہد شباب ہے
ساقی پری نژاد ہے جام شراب ہے

جوش جوانی اس قدر اب ہی جہان میں
باندھا شفق سے پیر فلک نے خضاب ہے

اس فصل میں غبار زمیں سے اگر اُٹھے
بارندگی کے بیچ شال سحاب ہے

ہر شب گلاب پاش ہی شبنم یہاں تلک
چاروں طرف جہان میں بوئے گلاب ہے

رقصاں ہے اس بہار سے طاؤس باغ میں
فوارہ جس کو دیکھ کر آب آب ہے

بلبل کے چہچہے ہیں اُدھر گل کے قہقہے
شیریں نوائے مطرب و چنگ و رباب ہے

چھلکے ہے آج دختر رز اس بہار سے
زاہد کا دیکھتے ہی جسے دل کباب ہے

زلف عروس کھائے ہے بل جس کو دیکھ کر
سنبل کی شاخ کا بھی عجب پیچ و تاب ہے

پھولا نہیں ہے شام کو یہ جا بجا شفق
جامے پہ آسماں کے بھی چھڑکا شہاب ہے

شمشاد اگر سوال کرے ہے نشاط کا
قمری کو بھی جو دیکھو تو حاضر جواب ہے

نظارہ باز بسکہ ہیں اس حسن کے مدام
آتا نہ اختروں کی بھی آنکھوں میں خواب ہے

یہاں تک ہی اب تو جوش سرور و نشاط کا
سو پردہ میں سے نکہت گل بے حجاب ہے

ایمان میں نے پیر خرد سے کیا سوال
یہ کیا خوشی جہاں میں بصد آب و تاب ہے

بولا مجھے کہ دیدۂ دل کھول کر تو دیکھ
شاہد نشاط و عیش کا اب بے نقاب ہے

یعنی ہے آج سالگرہ اس جناب کی
فیروز مسند جس کا لقب مستطاب ہے

نورِ بصر ہے شاہِ دکن کا اگرچہ وہ — پر شمع دودمان وزارت نایاب ہے
بانی ہر ایک سال ہے اس جشن کا وہی — فضلِ خدا سے شاہ کا نائب مناب ہے
عالم کے بیچ شاہِ دکن کے حضور سے — مشہور اعظم الامرا کا خطاب ہے
تب میں کہا قلم سے کہ ہو جلد سرنگوں — توصیف بادشاہ کی کرنا صواب ہے
شاہوں کے بیچ آج تو ہی انتخاب ہے — آدم کی نسل کا تو ہی لُبِّ لباب ہے
کب مجھ سے ہوسکے ہے بیاں تیری ذات کا — روشن سپہر قدر پہ جوں آفتاب ہے
تو آج وہ ہے رستمِ دوراں کرم شعار — دریائے فیض کا ترے گردوں حباب ہے
گردن کشاں ہیں دہر کے تجھ در پہ سرنگوں — از بسکہ اپنے عصر میں عالی جناب ہے
پروردہ نمک نہ ترا بندہ ہے فقط — دولت سے تیری ایک جہاں کامیاب ہے
اے شاہ تیرے پنجۂ بخشش سے دہر میں — ہر اک گدا کو دیکھو تو صاحب نصاب ہے
محکوم کیوں نہ ہوں ترے جن و بشر تمام — شرمندہ جس کے خلق سے لوئے گلاب ہے
تائید سے خدا کے ہر اک معرکہ کے بیچ — ہے فتح ہم عنان و ظفر ہم رکاب ہے
ہیبت سے جس کے لرزے زمیں آسماں تلک — شمشیر تیرے ہاتھ میں وہ برق تاب ہے
اسفند یار تن ہو اگرچہ ترا عدو — مانند برگِ بید اُسے اضطراب ہے
تیرے کبود رنگ فلک سیر کے لئے — ہے کہکشاں لگام و مہِ نو رکاب ہے
ہیں اس کی سیر و طیر کا اب کیا کروں بیاں — دریا میں ہے نہنگ ہوا میں عقاب ہے
خیمہ کا تیرے جاہ کے خورشید ہے کلس — خطِ شعاع اس کو بجائے طناب ہے

وصف و ثنا کو تیرے کہاں تک کروں بیاں — عاقل کو ایک نقطہ مثالِ کتاب ہے

ثنا ہا تو بسکہ حامیِ دینِ نبیؐ ہے اب — تیری مدد مدام شہِ بوتراب ہے

عمرِ شریف کو تری ثنا ہا نصیب ہو — جتنا حیاتِ خضر کا طول حساب ہے

جو تیرے حق میں میں نے کیا یوں دُعا بدل — اللہ کی جناب میں وہ مستجاب ہے

قصیدۂ تہنیت سالگرہ بہ اعظم الامرا بہادر گزرانیدہ

ہے بسکہ مہرِ کیانی کی آج سالگرہ — ہوا ہے بدر کی مانند اب ہلال گرہ

چمن کے بیچ جو دیکھو شگفتگی کے ساتھ — بہارِ غنچوں کی دیتی ہے لال لال گرہ

زبس ہے موسمِ عیش و طرب زمانہ میں — ثمر سے باندھے ہے گلشن میں ہر نہال گرہ

کہوں میں زلف کو دلی ہے یا جہاں آباد — کہ جس میں ہیں دلِ عشاق بال بال گرہ

اس آب و تاب سے ہے انعقادِ بزمِ نشاط — حباب کی طرح باندھے ہے اب زلال گرہ

رواج بسکہ ہے آرائشِ نشاط کا اب — بتوں کی چال کو دیکھے ہے خال خال گرہ

ارادہ بسکہ ہے بزمِ سرور کا سب کو — قبا کی باندھے ہے ہر صاحبِ جمال گرہ

ہر ایک میکدہ میں وقت بادہ ریزی کے — گلے میں شیشہ کے پھرتی ہے بے مثال گرہ

وفورِ بذل و عطا سے ہر ایک رشتہ میں — بسانِ سلکِ گہر ہے بہ اتصال گرہ

یہ جشنِ سالگرہ نے رواج پایا ہے — کہ استوار ہے ہر جا سوائے مال گرہ

کرم سے اس کے جہاں میں یہ امر داللہ ہو — رکھے نہ اب کسی خاطر پہ احتمال گرہ
کشادِ کار ہے عالم کا اس قدر منظور — کسی گدا کی زباں پر نہ ہو سوال گرہ
یہ فیض عام ہے جود و سخا کا چار طرف — کہ دیوے کیسہ پہ اب کوئی کیا مجال گرہ
برائے مصرعِ تاریخ تہنیت کے لئے — برنگ غنچہ مرے دل میں تھا خیال گرہ

دیا سروش دہیں پیر خضر نے ناگاہ
ہزار سال ہو یارب یہ جشن سال گرہ
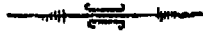
الہی شکر جاری ہی زباں پر دم بدم تیرا | کہ بخشا جان کو ایماں، بے نہایت ہی کرم تیرا
کرے ہی بندگی کا پہلے ہی مجھ کو ادا سجدہ | بصد آداب، پھر اوصاف لکھتا ہی قلم تیرا
بہ تصدیق دل و جاں غیب پر ایمان لایا ہوں | تو ہی معبود ہے میرا، میں بندہ بے درم تیرا

تاج کو کچکول اور کچکول کو کر دیوے تاج | وہ مقلب ہے قلوب ہر گدا و شاہ کا
جس کی اونی ہی رسائی خلوت قوسین تک | میں تو ہوں قربان جی سے اس دل آگاہ کا
آئینہ ہی صورت اس معنی کے ہر ذرے کے بیچ | اس کا نور خاص روشن گر ہے مہر و ماہ کا
بھیجوں ہیں صلوٰۃ اس پر اور اس کی آل پر | صدق سے ایمان میں بندہ ہوں اس درگاہ کا

کون دل تفتہ چمن میں صبح گرم نالہ تھا | دانۂ شبنم لب غنچہ پہ جوں تبخالہ تھا
تھی سیہ تاب ایک تو تیغ نگاہ خوں ریز خلق | تس پہ خنجر سا کھنچا سرمے کا ہر دنبالہ تھا
رو بہ رو بزم پری رو کے جو دیکھا رات کو | نقطۂ پرکار سا بے نور ماہ و ہالہ تھا
تجھ بن اے ساقی پیا ہم نے جو شب خون جگر | ہم پیالہ داغ دل اپنا بہ رنگ لالہ تھا

چلنے لگی باد صبا غنچہ ہر اک کھلنے لگا | تو مجھ سے اے گل گوں قبا کب تک رہے گا ان ملا
جوں بوئے گل ہر دم یہاں کرتے ہیں ہم سیر جہاں | یہ ناتوانی ہے کہاں گویا الوپ انجن ملا

پایا نہ وہ مزاج کبھو بر سرِ وفا / میں اپنی جان و دل کو جو کھونا تھا کھو چکا
گزری شب جوانی و پیری کی صبح ہوئی / غافل ٹک اب تو جاگ جو سونا تھا سو چکا

جب میں پوچھا غلام کب آوے / ہاتھ میں لے کے زلف بل کھایا
خونِ سر بہ گیا بجائے رود / کوہ کن کا یہی تھا سرمایا

کیوں نہ اک عالم ترا دیوانہ ہووے اے پری / معجزہ، عشوہ، افسوں، غمزہ ہی اور جادو ادا
گاہ دل پامال کرنا گاہ جاں بخشی کی چال / سجدے تیں کرتے ہیں تیرے پاوں کے گھنگرو ادا
کیوں نہ ہوں دیوانہ میں تیرے خرام ناز کا / یہ چلن یہ شوخیاں کرتا ہے کب آہو ادا

آتا ہے جی میں اکثر جوں نقش پا سرِ رہ / کوچے میں گل رخوں کے کوئی مکان لینا
جوں تیغ ہاتھ آوے گر جوہرِ شجاعت / قبضے میں پھر نہیں ہے مشکل جہان لینا

جب چمن کی سیر کو میرا وہ رشک مہ گیا / باغ میں ہر ایک گل منہ دیکھ اس کا رہ گیا
ایک دن شاید کہ آنکھوں سے نکل جاوے گا جی / دل تو سیل اشک میں اب خون ہو کر بہ گیا
ہاتھ سے کافر بتوں کے کیا کہوں ایمان اب / خانۂ دل جس کو کعبہ بولئے سو ڈھ گیا

چمن کی سمت یا دشت جنوں میں کھینچ کر لے جا / ترا اے عشق بندہ ہوں جدھر چاہے اُدھر لے جا
رسائی زیست میں ہرگز نہ تھی اپنی تو گلشن تک / قفس سے اب اُڑا کر اے صبا یہ مشت پر لے جا
نہال اللہ نے تجھ کو کیا دیگا تو لازم ہے / بخیر اس باغ سے کچھ نیک نامی کا ثمر لے جا

ہر چند مرے گھر وہ طناز نہیں آتا / پر اُس کی تمنا سے دل باز نہیں آتا
اس کنج قفس کی میں فریاد کروں کس سے / اک مرغ بھی یاں کر کر پرواز نہیں آتا
جاں کندن ہجراں میں کوئی کبھو بالیں پر / غمگین مری سُن کر آواز نہیں آتا
اتنی تو مقدم ہے خاطر تری اے ظالم / جو پاس مرے کوئی ہمراز نہیں آتا
ہر دم تری باتوں میں جو کچھ کہ ہے جاں بخشی / عیسیٰ کو بھی پیارے یہ اعجاز نہیں آتا
بے ساختہ حسن اس کا اب فتنۂ عالم ہے / ہر چند اُسے کرنا کچھ ناز نہیں آتا

کون رعنا نوجواں اس گلستاں میں رہ گیا / جس کے قامت کا نشاں سرو چماں میں رہ گیا
چشم نرگس ہی نہ جھپکی اس کی برق حسن سے / مرغ بھی ہر اک پھڑک کر آشیاں میں رہ گیا
کیا کہوں کیفیت شب تجھ سے میں اے ہمنشیں / شیشۂ دل چور ہو بزم بتاں میں رہ گیا
دل لگا مت بیٹھیو اس طاق رنگیں سے کہیں / چار دن ہر کوئی قصر آسماں میں رہ گیا
زندۂ جاوید کہتے ہیں اُسے ایمان ہم / جس کا نام نیک آخر اس جہاں میں رہ گیا

ادھر تو ایک ہاتھ میں بسمل نے غش کیا — اودھر ہوا کو دیکھ کے قاتل نے غش کیا
برقع اٹھا جو رخ سے پری رو کے رات کو — اک اپنی کیا کہوں سبھی محفل نے غش کیا
کس کی شمیم زلف یہ لائی ہے اب نسیم — ٹک سونگھتے ہی عاشق بیدل نے غش کیا
دادی ہے تجھ دیار کی آنی سموم خیز — پہلے قدم میں رہرو منزل نے غش کیا

کون سکے تجھ کو میری جان جا — بیٹھ کہیں ٹک تو، کہا مان جا
وہم فرشتے کا نہ پہنچے جہاں — پہنچا ہے وہاں حضرت انسان جا
تو نے جو باندھی ہے سفر پر کمر — ہے ترا اللہ نگہبان، جا
شیخ کے رشتے ہیں یہاں سب شیخ رو — کوئی بھتیجا ہے کوئی بھانجا
پھر نہ کمی وہاں ہے کسو چیز کی — لے کے فقط یاں سے تو ایمان جا

نہیں اور کچھ مجھے آرزو یہی مدام اپنی ہی جستجو — کہ تمام شب تو کبھو کبھو تو رہے ہی گل سے ملا ہوا
ترے روٹھنے نے فنا کیا ترے ہنس کے ملنے نے جی دیا — میں اسی ہی تیغ میں ہوں بسا تو صنم کہاں کہ خدا ہوا
میں ہوں گرچہ بندہ با صفا تو ہنوز ہے بسر جفا — ترے ہاتھ جا کے اسے ہو وفا مرا دل پھر اس سو بھلا ہوا
نہ دریغ تجھ سے ہی سیم و زر نہ دیا تن و دین و دل و جگر — تری یک نگاہ حجاب پر ہیں ہزار جی سے فدا ہوا

دیت اس قاتل بے رحم سے کیا لیجے گا — اپنی ہی آنکھوں سے اب خون بہا لیجے گا

لختِ دل خاک میں دیتا ہو کوئی بھی رہنے   گر پڑے اشک تو آنکھوں سے اٹھا لیجے گا
اس قدر سنگ دلی تم کو نہیں ہے لازم   کسی مظلوم کی گاہے تو دعا لیجے گا
پھر نہ ہو پچھتاؤ کہیں بعد مرے جانے کے   گالیاں اور جو باقی ہوں سنا لیجے گا
کسی جلسے میں جو ایمانؔ کہو تو جانیں   گھر میں یوں بیٹھے ہوئے شعر بنا لیجے گا

اس وقت میں بھلا ہی ملنا کہ بعد میرے   آیا مزار اوپر تو بار ہا تو پھر کیا!
خلقت میں اُسکے ہرگز بوئے وفا نہیں ہے   جور و ستم ہزاروں میں نے سہا تو پھر کیا!
حسن عمل سے جلدی نقش و نگار کرلے   اس قصر زندگی کا پایہ ڈھا تو پھر کیا!
اک قطرہ با اثر ہوں ایمانؔ مثل گوہر   مانند ابر رو رو دریا بہا تو پھر کیا!

کچھ سرخ جو ہے رنگ مرے اشک رواں کا   شاید کوئی ٹوٹا دل مجروح کا ٹانکا
خسرو سے ادھر جنگ ادھر کوہ سے کاوش   دیکھا نہیں ہم نے کوئی فرہاد سا بانکا
دل سینے میں بیتاب جو ہے ذرہ کی مانند   منظر کے تئیں کھول کے اب کس نے یہ جھانکا
پہنچے جو ترے وصف کمر یا کہ دہن کو   نے وہم کا یارا ہے نہ مقدور گماں کا
دیکھے جو خرابات کا یک بار کرشمہ   پھر شیخ مریداں کے ہو پیر مغاں کا
اک طالب دیدار ہیں ایمانؔ قسم ہے   ہم کو تو کبھو فکر ہے یاں کا نہ وہاں کا

جب سے کہ مرے دل میں محبت ہوئی پیدا   تا کام و زباں اور ہی لذت ہوئی پیدا
کس کے مجھے دیدار کی یارب ہے تمنا   اب صورت آئینہ جو حیرت ہوئی پیدا
تھا مغبچہ اک آفت جاں گھر میں مغاں کے   اب دختر رز اور قیامت ہوئی پیدا
حمام سے جس وقت کہ نکلا وہ پری رو   کچھ اور ہی ایمان لطافت ہوئی پیدا

تجھے جس دن سے دیکھا ہی نہیں اس دن سے پھر ہرگز   دم اپنا، ہوش اپنا اور دل اپنا جگر اپنا

فزوں ہر دم جو دیکھا حسن اس کی نوجوانی کا   کہوں کیا یک قلم رنگ اڑ گیا چہرے سے مانی کا
مرے ہی زخم دل پر اس کو رہتی ہے نمک پاشی   جہاں میں شور ہے جس شوخ کی شیریں زبانی کا
کروں کیوں کر نہ ملنا ترک میں اب سارے عالم سے   مجھے رہتا ہے اندیشہ کسی کی بدگمانی کا
گزر مت شیوۂ احسان سے مقدور تک ہرگز   ثمر ہیگا یہی پیارے نہال زندگانی کا
تڑپنا کس کو کہتے ہیں سسکتا بھی نہیں کوئی   عجب انداز ہے شمشیر کے اس کی روانی کا
کرے ہے اک اشارہ میں دل عشاق دو ٹکڑے   تری ابرو کو شایاں ہے لقب شمشیر خانی کا
مرا دل ڈوب ہی جاتا ہے جس دم یاد آتا ہے   وہ لہرانا کنار جو پہ سرو بوستانی کا

سلاسل کا قیدی بھی یک بار چھوٹا   نہ اس زلف کا پر گرفتار چھوٹا
ہوا روکشِ آفتابِ زمانہ   جب آئینۂ دل سے زنگار چھوٹا

جنوں تیری دولت تو اب کسبھی ہم سے / نہ جنگل ہی چھوٹا نہ کہسار چھوٹا
تماشے کے قابل ہے نالہ ہمارا / انار اس طرح کب شرربار چھوٹا
ہوا اب جو پیوند عاشق زمیں کا / اذیت سے بارے یہ بیمار چھوٹا
کیا ہم نے سب اس کی مرضی موافق / پر اس کا چلنا نہ زنہار چھوٹا
جنوں کا زبردست آنا ہے پنجہ / گریباں کا جس سے نہ اک تار چھوٹا

گھر سے جانے کا مرے عزم نہ کر آخر شب / کہ مسافر کو ہے چلنے میں خطر آخر شب
کارواں کی وہ پہنچتا ہے کہاں گرد کو پھر / راہ رو سو رہا جو کوئی اگر آخر شب
جس نے دیکھا ترے چوٹی میں پڑا رخ موباف / کہا آتی ہے شفق آج نظر آخر شب

چھپتے نہیں ہر چند کہ آثار محبت / پر اپنی زباں سے نہ ہو اظہار محبت
کب شمع کی ہو گرمی بازار محبت / پروانہ نہ ہووے جو خریدار محبت
سر پر میں چڑھاتا ہوں اسے گل کی طرح سے / چبھتا ہے مرے پاؤں میں گر خار محبت
جز خون جگر ساغر دل بھرتے نہ دیکھا / جو کوئی ہوا دہر میں میخوار محبت
اس جور و جفا پر بھی فدا ہوتا ہوں جی سے / مجھ سا تو نہ ہووے گا گرفتار محبت

کس کس طرح سے چلتی ہے باد بہار مست / زاہد بھی دیکھ ہو گیا جوں بادہ خوار مست.

پہنچے ہے مے پرست کو تجھ چشم کے کہیں　　بلبل اگر ہو ساغرِ گل سے ہزار مست
ساقی اگر دے ایک مئے ارغواں کا جام　　ایسی غزل پڑھوں کہ ابھی سب ہوں یار مست
دامن تلک ہو چاک گریبانِ گل اگر　　سنبل کی طرح جیب کریں تار تار مست
اب کی چمن میں آئی ہے وہ نو بہار مست　　گل مست، غنچہ مست ہے اور خار خار مست

یہ بہارِ نوجوانی سمجھ اسے صنم غنیمت　　جو خوشی کے ساتھ گزرے وہی جانِ من غنیمت
نہیں بندگی پذیرا تو جواب صاف دیجئے　　مرے حال پر تمہارا ہے یہی کرم غنیمت
رہے کچھ نہ کچھ علاقہ شب و روز دلبروں سے　　جو نہ ہووے مہربانی تو ہے پھر ستم غنیمت

حسن اس چینِ جبیں کا دیکھ مانی نے کہا　　چشمۂ خورشید پر کھینچی ہے یہ تصویرِ موج

دیکھ کر سوزِ جگر میرا، نہ پگھلا دل ترا　　شمع کو کب ہووے پروانے کے جل جانے کی لاج

پشّے کو حکم ہو تو نکالے ترا دماغ　　دعویٰ نہ کر خدائی کا نمرود کی طرح
در پردہ حسنِ صوت ترا دل کو لے نگا　　کرتے گداز نغمۂ داؤد کی طرح
دیوان میں نے احمد بے میم کے سوا　　پائی کسو بشر میں نہ معبود کی طرح

بتوں کے عشق میں کیا ہاتھ آئیگا پتھر — خدا کے واسطے ایمان کر خدا کی یاد

کیا سرکشی ہے غنچہ و گل کو بہار میں — اے عندلیب آج ہے زردار کا گھمنڈ

جرات کہاں کہ عرض کروں آرزوئے دل — حیرت زدہ ہوں آئینہ سا روبروئے یار
شب بے خودی گئی تھی مجھے لے کے سوئے یار — میرا یہ سر تھا اور در و دیوار کوئے یار

ناتواں کو بھی رسائی ہی کہاں تک دیکھ — رشتے نے سر کو نکالا ہے گہر سے باہر

تجھ سا کوئی وجیہہ نہیں آسمان پر — کیونکر کرے نہ ناز زمیں آسمان پر
نالہ ستم کشوں کا شگر دہ تیر ہے — لرزے ہی جس سے عرش بریں آسمان پر
ٹوٹا نہ یہ شہاب ہی ایمان بے سبب — پہنچی ہے میری آہ کہیں آسمان پر

تنگ نائے عرصہ دنیا میں ایسی چال ہو — جو نہ ہووے پاؤں کے نیچے کوئی مسمار مور
جس پہ ہے ایمان روشن بزم وحدت خلق پر — شل پروانہ نظر آوے اسی کو نار نور

تندرستی بھی بڑی نعمت ہے — جان بہتر تو جہان ہے بہتر

جب کہوں میں کہ کروں جی قرباں   ہنس کے کہتا ہے کہ ہاں ہی بہتر

فصلِ بہار میں بھی یہ حسنِ گل نہ دیکھا   ہے جس قدر کہ اس کے جوشِ شباب منہ پر

شیخ کعبے کے در و دیوار میں کیا خاک ہے   خانۂ دل سے ہے اپنے اتصال کوئے یار

کیا قدر لعل کی ہو بدخشاں کے ملک میں   گر چاہتا ہے رتبۂ شاہی وطن کو چھوڑ
ایمان اور کچھ نہیں مقدور اگر تجھے   عالم میں یادگار تو اپنے سخن کو چھوڑ

چاہے ہے ایماں کہ ہو دولتِ بیدار نصیب   رہیو غافل نہ کبھی وقتِ سحر سے ہرگز

ہر نوک پہ آتا ہے نظر اک دلِ پُر داغ   مژگاں ہیں تری یا ہیں خدنگِ پرِ طاؤس

دیکھ کر مانی و بہزاد ہیں نقشِ دیوار   کھینچی اللہ نے ایسی تری تصویر کہ بس

یاد آتی ہیں عرق آلودہ زلفیں مجھ کو   جب اندھیری رات میں ہو آسماں اختر فروش

رقیب سے نہیں چھٹتا ہے یار کا اخلاص   کہ ناگزیر ہوا گل کو خار کا اخلاص

زاہد بہک گیا ہے یہ جوش بہار میں   مانگے ہے بادہ جبہ و دستار کے عوض
جاتا رہا ہے دل پہ تڑپتا ہے جی ہنوز   دلال پھنس رہا ہے خریدار کے عوض

ظاہر کے عز و شاں پہ نہ جا تو ہما کو دیکھ   ہوتا ہے بادشاہی کا یک مشت پر سے فیض

پروانہ سا خموش ہے جانباز عشق یاں   اے عندلیب نالہ و افغاں نہیں ہے شرط

بھرا ہی جائے ہے قاتل کی تیغ ابرو سے   بھلا! کہو تو کوئی دل کو کیا رکھے محفوظ

شرق میں خنجان مہر اور غرب میں جام ہلال   کس قدر ہے دیکھ بزم عالم مینا وسیع

انصاف ہے کہ غیر ہنسیں تیری بزم میں   جوں شمع میری چشم رہے اشک بار حیف

مجھ سے کل گور غریباں میں کہا عقل نے یوں   اور کچھ یاں نہ سوا حسرت و غم کے ہے تہ خاک

مجھ سے تو رازِ عشق کا افشا نہیں ہوا لیکن چلی ہی جائے ہے تاکید اب تلک
غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، خرام سے میں ایک اپنی جان بچاؤں کہاں تلک

ہر قدم پر جس کے اعجازِ مسیحا ہے فدا اس ادا، اس ناز، اس اُفتاد کے قربان ہم
عمر بھر ساقی نہ چھوڑیں میکدے کی بندگی ایک ہی پیمانے پر کرتے ہیں یہ پیمان ہم

عرصۂ ہستی میں کچھ مختار ہوں بھی اور نہیں سایہ آسا صاحبِ رفتار ہوں بھی اور نہیں
وصل سے ہوں دور اب تک باوجود اتحاد ساغرِ مے کی طرح میخوار ہوں بھی اور نہیں
حوصلہ روشن ہے میرا تجھ پہ اے خورشید رو مثلِ شبنم لایقِ دیدار ہوں بھی اور نہیں

سوزشِ عشق کو اے بوالہوس آساں نہ سمجھ یہ وہ آتش ہے سمندر کے بھی پر جلتے ہیں
باوجودیکہ نہیں فرصتِ یک چشم زدن اتنی ہستی پہ بھی ہم مثلِ شرر جلتے ہیں
آشیانِ خس و خاشاک نہ باندھ اے بلبل آتشِ گل ہی سے اس باغ میں گھر جلتے ہیں
بس کہ ایماں کی ہے شعلہ بیانی روشن گرمیٔ شعر سے سب اہلِ ہنر جلتے ہیں

گو کہ ہم لایقِ تعذیر و گنہ گار تو ہیں تیری بخشش کے عوض پھر بھی سزاوار تو ہیں
گو کہ ایماں تجلّی نہیں ہوتا ذرّہ ہم بھی موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار تو ہیں

چہچہے کر لے، بہار آئی ہے اب اے عندلیب — یہ گلستاں پھر کہاں، یہ نغمہ خوانی پھر کہاں
آج کی گستاخیاں معذور رکھ اے مستِ ناز — یہ نوازش پھر کہاں، یہ مہربانی پھر کہاں

تم ہو اور گلشن ہو اور نرگس کی ستھری کیاریاں — یاں مری آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ آنکھیں پیاریاں

بے وفائی کا تری ذکر تو چھوڑا ظالم — بندگی اپنی بھی مشہور کروں یا نہ کروں
دیکھ بد مست تجھے غیر کے ہمراہ مدام — شیشۂ دل کے تئیں چور کروں یا نہ کروں
پاس آنے نہیں دیتا ہے اگر اے مہرو — یہ بھی کہہ دے نگہ از دور کروں یا نہ کروں

چمن میں صبح دم گل گشت کو جب آپ آتے ہیں — گلوں کو دیکھ شرم آلودہ غنچے مسکراتے ہیں
بھڑکتا ہے جو مجھ کو دیکھتے ہی ان دنوں شاید — رقیب رو سیہ کچھ کچھ تو جا کر اب لگاتے ہیں
شتابی ساقیا مے لا نہ کر دل کو مرے میلا — امنڈتے اور گرجتے بے طرح سے بادل آتے ہیں
طلوعِ مہر کا ناگاہ ہوتا ہے گماں ہم کو — نکل آئینہ خانے سے وہ جب صورت دکھاتے ہیں
عجب ہی اک ادا سے یہ بتانِ شوخ حسن اپنا — چھپاتے ہیں دکھاتے ہیں دکھاتے ہیں چھپاتے ہیں

اب جو وہ ہنس کے ملاتا ہے نگاہیں ایدھر — کچھ تو پھونکی ہے مری آہ نے تاثیر میں جان

بحرِ ہستی میں نہ دیکھا گوہرِ راحتِ دل — ہم نے جس وقت بصد غور نظر کی تہ میں
چہرۂ نور فشاں یوں ہے ترا زیرِ نقاب — جیسے خورشید ہو دامانِ سحر کی تہ میں

شاید قریب پہنچے ہیں اب دن بہار کے — آتے نظر ہیں لالات مجھے آج جوشِ خوں
رویا ترے بغیر کوئی رات اس قدر — گزرا بنائے چرخ سے سیلابِ جوشِ خوں
نشتر لگائیو رگِ لیلیٰ میں سوچ کر — فصادیاں ضرور ہے آدابِ جوشِ خوں

دامانِ یار جب سے گیا چھوٹ ہاتھ سے — باہم ہے ترے پنجۂ مژگان و آستیں

کہاں کا شعلۂ جوالہ؟ کس کا ماہ کا ہالہ — بہ وقتِ رقص جب ہو دامنِ جاناں نہ گردش میں

سینۂ مظلوم سے نکلے ہے آہِ سرد جب — کانپ جاتے ہیں وہیں عرشِ بریں آسماں

ترا جب سے میں محوِ دیدار ہوں — نہ مائل بہ سرو و نہ گلزار ہوں
میں وہ غمزدہ ہوں کہ مانندِ شمع — طرب کی بھی مجلس میں روتا رہوں

اک دم ہی میں نکل گئی بسمل کی آرزو　　جوں چاہیے بر آئی نہ قاتل کی آرزو
کشتی شکستہ حال ہے اور بحر موج زن　　اے شرطؔ! آ پہنچ کہ ہے ساحل کی آرزو

پسند اپنی وہی ارمان ہوتی ہے غزل جس میں　　صفا الفاظ کی ہو پاک قلم، دلچسپ مضموں ہو

یوں تو کچھ دیر نہیں اور ہنر کرنے کو　　شرطؔ قسمت ہے دلِ دوست میں گھر کرنے کو
نالۂ نے سے جرس آہ تجھے کیا نسبت　　درد درکار ہے ہر دل میں اثر کرنے کو

ہم سے عمل نیک ہوئے کب　　جب تلک ترا کچھ کرم نہ ہو

غنچہ لب یا کہ گل بدن ہے تو　　رشکِ نسریں ہے یاسمن ہے تو
کیوں نہ طاؤس ہو ترے قرباں　　سر سے لے پاؤں تک چمن ہے تو
دل عاشق وہاں ہے پروانہ　　جس جگہ شمعِ انجمن ہے تو
جی کسی کا نہ خوش کیا تو نے　　دردمندوں کا دل شکن ہے تو
دیکھ لیں ہم نے شوخیاں تیری　　یا ہرن یا کہ من ہرن ہے تو

اپنے کرم پہ رہتی ہے اللہ کی نظر بندے سے گر ہوئی بھی خطا کیا مضایقہ

ہجوم ناتوانی باغ تک بھی کیا پہنچنے دے؟ اگر صیاد میرے فصل گل میں بال و پر کھولے

جو کوئی صبح کو دیکھے تجھے جھروکے میں عجب نہیں ہے کہ خورشید خاوری جانے
عزیز کہتا ہے ایمانؔ شعر رنگیں کو کہ جیسے قدر جواہر کو جوہری جانے

عاشق سرباز کو ہر بزم میں مانند شمع آہ گرم و چشم تر و چہرے پہ زردی چاہیے
سیر گلشن کی نہ دو تکلیف مجھ کو دوستو گرد باد آسا مجھے صحرا نوردی چاہیے
ہے گزرنا سر سے ہی ایمانؔ کوئے یار میں یاں قدم دھرنے کو پہلے پائے مردی چاہیے

نہ رکھو ایمانؔ تو چشم ترحم دلرباؤں سے یہ وہ ظالم نہیں ہیں جو کسی دل سے عالم لگے

کہتا ہے رات سن کے مرا نالۂ فغاں اے ننگ خلق ہے تجھے کچھ کام اور بھی

ساقیا صبح سے پیغام صبا آتا ہے موسم میکشی و ابر و ہوا آتا ہے
یہ مکافات کی ہے جائے نہ رہیو غافل اپنے ہی سامنے یہاں اپنا کیا آتا ہے

دل ربائی میں نہیں شل تیرا نام خدا اے صنم وصف یہ کسے میسر ہوا آتا ہے

وہاں تمہیں آرام ہے بالینِ مخمل پر نصیب یہاں دل بے تاب ہے اور دیدۂ بے خواب ہے

نہ کر عروج و نزول پر تو جہانیوں کے عبث تحیر کہ روز و شب کی طرح سے جاری زمانے کی ہے دو رنگی

مرا ہی نقدِ دل لے کر مجھے آنکھیں دکھاتا ہے خدا سے کچھ تو ڈر ظالم یہ چوری اور یہ سرہنگی

دولت دنیائے دوں ازبسکہ ہے بے اعتبار سیکڑوں اس تخت پر ضحاک و جم بیٹھے اٹھے
ہم جہاں ایماں آویں اپنی دادی پر تو وہاں تا ابد شورِ قیامت یک قلم بیٹھے اٹھے

تری آہ دامنِ نعش کی مرے دل کو جب ہوا لگی بجلی چمکی جانِ غریب کو یہ کہاں کی گالی بلا لگی
سحر سے لیکے قدم تلک لگی آگ غیرتِ عشق سے شبِ عید کو جو لے گلبدن ترے رنگ پائے حنا لگی
کیا دوستی میں تو پہلے دل ہوا اب تو دشمن جان ہے مجھے یک ذرا بھی خبر نہ تھی کہ ہے صلح میں بھی دغا لگی

جاتا ہے لطف باغ میں پرواز کا باد آتا ہے جب کہ یاد وہ کنجِ قفس مجھے
شاید کہیں تو وہ مہ کنعاں نظر پڑے پھرتی ہے شہر شہر لئے یہ ہوس مجھے

ہے کام نا و نوش سے شام و سحر تجھے	پہنچے کسو کے حال کی کیونکر خبر تجھے
سنتے ہی ایک خلق کے آنسو ٹپک پڑے	لیکن کیا نہ آہ نے اپنے اثر تجھے
یہ ایک دل تو کیا ہے کہ حاضر ہے جب تلک	منظور ہووے جان بھی ظالم اگر تجھے
بلبل کے قید کرنے سے فصل بہار میں	صیاد کیا ملے گا بجز مشت پر تجھے
دشمن کا دل بھی دیکھ کے مجھکو پگھل گیا	آیا نہ رحم حال پہ میرے مگر تجھے

تجھ حسن کی خوبی کو یہ چشم کہاں پاوے	ہے بسکہ وہ نازک تر نظارے سے مرجھاوے
تجھ عشق کی گزری میں یک دام کو ہے مہنگا	گر یوسف مصری بھی سو طرح سے بن آوے
اک ذرہ کبھو چمکے خورشید حقیقت کا	موسیٰ بھی اگر ہووے بے ہوش ہو گر جاوے

شیخ پندار ہی تیرا ہے تجھے مانع دید	ایک پردہ بھی نہیں اپنی نظر کے آگے

خلعت ہستی ہی جس کو تنگ ہے	بند میں جامے کے رہنا ننگ ہے
گل بدن گل پیرہن تس پر حنا	رنگ ہے کیا رنگ ہے کیا رنگ ہے

زندگی شکل خواب کی سی ہے	موج گویا سراب کی سی ہے
کون دل سوختہ ہے گرم طپش	بو یہاں کچھ کباب کی سی ہے

رگ جاں پر ہے کون ناخن زن　　کچھ صدایاں رباب کی سی ہے

اس کی غضب آلود نگہ کیا کہوں تجھ سے　　ڈوبی ہوئی زہراب میں برچھی کی انی تھی
شیریں سے تو پرویز کو تھا عیش میسر　　فرہاد کی قسمت میں فقط کوہ کنی تھی
کس بلبل بے تاب کا گلشن میں ہوا قتل　　جو خاک بسر صبح نسیم ہمتی تھی
اللہ نے ایمان ستمگر سے بچایا　　کل ورنہ مری جان ہی پہ آن بنی تھی

ڈھونڈتا کوے بتاں میں ہے عبث　　یاں گنوا کر دل کوئی پایا بھی ہے
تیرے گھر میں جز غم و رنج و بلا　　اور کچھ لے عشق سرمایا بھی ہے

تجھ بن اے ساقی مجھے موج ہوا شمشیر ہے　　شیشۂ دل پر مرے ہر قطرہ باراں تیر ہے
شمع کے سر کو اڑا کر دم بدم بخشے ہے جاں　　ذوالفقار مرتضیٰ کا خاک پا گل گیر ہے
کمترین بندگاں ہوں اس جناب پاک کا　　جان و دل ایماں فدا ئے شبر و شبیر ہے

ناخدا کا آشنا ہرگز نہیں　　اپنی کشتی کا نگہباں اور ہے
جو ہیں بسمل خنجر تسلیم کے　　ان کو ہر دم عید قرباں اور ہے
حشر برپا جس کی ہو رفتار سے　　وہ غرض سرو خراماں اور ہے

دیر سے مطلب نہ کعبہ سے غرض　　　عاشقوں کا دین ایماں اور ہے

کبھو حرم میں کبھو دیر میں مجھے پیارے　　　کہاں کہاں نہ لئے تیری چاہ پھرتی ہے
نسیم ہاتھ سے کس گلبدن کے ہے تاراج　　　کہ شہر شہر سدا دادخواہ پھرتی ہے
تو ہرزہ گردئی مجنوں کا واں تماشا دیکھ　　　جہاں سے کوچۂ لیلیٰ کو راہ پھرتی ہے

سرگزشت کوہکن از بسکہ ہے پتھر کی لیک　　　بے ستوں میں دیکھ تو نقش و نگار دوستی
بادۂ الفت کی کیفیت نہ پوچھ کوئی کہ ہم　　　کھینچتے ہیں اب تلک بار خمار دوستی
اس قدر بھی جان کا دشمن نہ ہو اے دل شکن　　　کچھ تو رہنے دے جہاں میں اعتبار دوستی

ناحق نگہ یار کو مجھ دل سے ہے کاوش　　　جس طرح کسو شخص سے مے خوار الجھ جاوے
گل گشت چمن کا تو نہ کر غنچہ دہن جزم　　　دامن سے مبادا کوئی واں خار الجھ جاوے
اور دل سے ہے ایمان اسے صاف ملاقات　　　ہر بات میں مجھ سے ہی ستمگار الجھ جاوے

کفر نہیں ہے اے صنم ہم سے جو تو ملا کرے　　　بندوں پہ اپنے مہرباں تجھ کو کہیں خدا کرے
دل میں تو اپنے غور کر اے بت خود نما کبھو　　　جور و جفا کہاں تلک کوئی بھلا سہا کرے
تو نے جفا ہزار کی گرچہ ہماری جان پر　　　اپنی دعا تو ہے یہی تیرا خدا بھلا کرے

دل کو وہ چھین لے چلا منہ ہی میں دیکھتا رہا — جس کا نہ زور چل سکے چپ نہ رہے تو کیا کرے
یہ بھی کوئی شعور ہے تاکہ تو سمجھ! خدا سے ڈر — تجھ سے جو کوئی وفا کرے اس سے ہی تو جفا کرے

آنا اگر تیرا نہیں ہوتا ہے میرے گھر — دولت سرا میں اپنے اک دن بلا مجھے
وہ ہووے اور میں ہوں اور اک کنج عافیت — اس سے زیادہ چاہیے پھر اور کیا مجھے
کافر بتوں کی راہ نہ جا آخر خدا کو مان — پیر خرد نے گرچہ کہا بارہا مجھے
پر کیا کروں کہ دل ہی نہیں اختیار میں — اس خانماں خراب نے عاجز کیا مجھے

وہ حسن عقل سوز خدا داد ہے تجھے — صورت کو تیری دیکھ کے بہزاد گر پڑے
گلشن میں دیکھ سرو کو لے خوش خرام ناز — تیرا خیال کر کے یہ ناشاد گر پڑے

حسن تیرا ہے شمع مجلس کی — آنکھ جھپکی ہے تجھ سے نرگس کی
رو برو ہو تیرے پری یا حور — آج طاقت ہوا اے صنم کس کی
فتنہ خفتہ جاگ اٹھتا ہے — لے ہے ایسی ادا سے کچھ سسکی
ایک ہی بے وفا ہے دختر رز — لیتے ہی عقل و ہوش سب کھسکی
یہ ہے ایمان تربیت کا فیض — دیکھ اکسیر بن گئی مس کی

تیرا مریض اس قدر اب تو زمیں کو لگ گیا — نقش حصیر کی طرح اٹھنے لگے فراش سے
شربِ عاشقاں کبھو کیونکر نہ ہووے جائے رشک — فکر نہ واں معاد کی اور نہ غمِ معاش سے
جس نے کہ جیتے جی کبھو وصل سے خوش نہیں کیا — خاک کریگا وہ سلوک بعد ہماری لاش سے

منزل کو پہنچے وہ جو سحر قافلے چلے — ہم راہ میں رہے کہ بہت دن ڈھلے چلے
شور و فغان و گریہ و اندوہ درد و غم — آخر ہمارے ساتھ یہ سب مشغلے چلے
آیمان اس جہاں سے بجز بار معصیت — افسوس صد ہزار کہ ہم کچھ نہ لے چلے

نہ پوچھ احوال میرا اے ستمگر — مبادا کچھ شکایت منہ پر آوے
کہوں شیشے سے اپنا درد دل میں — تو چشمِ جام بھی اک دم بھر آوے

روتے روتے نہ فقط دیدۂ تر بیٹھ گئے — یہ جھڑی وہ ہے کہ جس سے کئی گھر بیٹھ گئے
ہم جب آئے ہیں تری بزم میں اے رشکِ چمن — نہ کیا غور کسو نے کہ کدھر بیٹھ گئے
استقامت نہیں جلوے کی ترے حسن کو اب — دور سے دیکھ تجھے ایک نظر بیٹھ گئے

بھیجا ہے خط کسی نے اتنا ہی کہیو قاصد — میرا نہ نام لیجو اس بے وفا کے آگے
کیوں کر گروں نہ اس کے قدموں پہ دیکھتے ہی — تنکے کو استقامت ہے کہربا کے آگے

مثنویات

فراق نامہ

سراپا کرم گستر و مہرباں
الٰہی سلامت رکھے جاوداں

تمنا یہاں تک ہے دیدار کی
کہ طاقت نہ تحریر و گفتار کی

اگر ایک شمّہ کو کیجیے رقم
تو پیدا کرے چشمِ نرگس قلم

مثال آئینے کے یہاں اب تلک
قسم ہے ملی نہیں پلک سے پلک

ہر اک صبح اٹھتے ہی اندوہ ناک
کروں ہوں گریبانِ طاقت کو چاک

چلے جب چمن میں ہوائے سحر
تو کہتا ہوں اس سے دم سرد بھر

صبا عرض کیجو تو بعد از سلام
کہ ایمان کا ہے یہی اب پیام

اگر باغ میں دیکھے شمشاد کو
کرے یاد اس سروِ آزاد کو

تصور میں تب اس کے قربان ہو
گلے مل کے قمری سے نالاں ہو

کبھو جا پڑے ہے جو گل پر نظر
تو کہتا ہے بلبل سے ہو چشم تر

حکومت چمن کی خدا دے تجھے
مرا مہرباں وہ ملے گر مجھے

سدا آپ ہی آپ دل تنگ ہے
اسے غنچے کا دیکھنا ننگ ہے

چمن میں ہے وہ اس قدر اشکبار
کہ رہتے ہیں معمور سب جوئبار

سدا دن اسی طرح جائے گزر
چھپے جبکہ خورشید نکلے قمر

کرے آہ کو مشتعل جوں چراغ
دکھلاوے ستاروں کو سینے کا داغ

نظر جب کرے ہے ستاروں بیچ وہ   تو لوٹے سحر تک انگاروں بیچ وہ
کرے کوئی اس سے تمہارا بیاں   نکل جاوے جوں بوئے گل تن سے جاں
غرض طرفہ غم میں گرفتار ہے   کہ جینے سے بھی اپنے بیزار ہے
ہوس دیکھنے کی ہے واں اب تلک   تب آنکھوں میں جی رہ گیا ہے اٹک
شتابی خبر لے برائے خدا   نہیں تو کوئی دم میں ہوگا ہوا
زیادہ کہاں تک لکھوں قدرداں   قلم پھٹ کے اب رہ گیا ہی یہاں
الٰہی تو یہ باغ آباد رکھ   دلِ دوستاں کو سدا شاد رکھ
رہیں دشمناں ہاں کے اب روسیاہ   ہمیشہ پھریں وہ ذلیل و تباہ
مرا آپ سے جو کہ پوچھے پیام   بصد اشتیاق اس کو کہیے سلام

بے تاب نامہ

سروِ گلزارِ آشنائی   جانِ شیریں دل ربائی
رہیو مجلس میں تیری جوں گل   لب ریزِ نشاط ساغرِ مل
تیرا ہے خیال بس کہ دن اور رات   خوش آتی نہیں کسی کی بھی بات
آنکھوں میں پھرے ہی تیری صورت   دل میں ہے بھری سے محبت
ہر صبح یہ دھیان ہیگا   کس جا سے وہ مہربان ہیگا
حسرت ہی میں دن تباہ ہوئے   آنکھوں ہی میں جاں سیاہ ہوئے

جب زلف کشا عروس شب ہو — آفت ہو، عذاب ہو، غضب ہو

وحشت کی کہوں کہ بے قراری — آنکھوں کی کہوں کیا اشکباری

پلٹے ہے وہ کہ بے اثر ہو — ہر نالہ جگر پہ نیشتر ہو

بھاتا ہی نہیں پلنگ مجھ کو — کھائے جاتے ہیں جوں پلنگ مجھکو

ہے داغ سے دل کے گرم بستر — درکار نہیں ہے نرم بستر

جوں شمع تمام شب ہے رونا — جلنا ہے یہاں کدھر ہے سونا

لگا ہے جو پلک جھپک گئی ہے — تجھ پہ ہی نظر اٹک گئی ہے

کیونکر نہ عزیز ہو وہ سینا — جس میں کہ ملے حبیب اپنا

اس وقت نصیب کیوں نہ جاگے — دلدار گلے سے جب کہ لاگے

اس آن کے وصل پہ ہے قرباں — اک جان تو کیا ہے بلکہ سو جاں

پھر آنکھ جو کھل گئی ہے ناگاہ — آیا نہ نظر وہ یار دلخواہ

تا صبح قرار پھر نہ آیا — وہ رشک بہار پھر نہ آیا

طوفان کیا ہے چشم تر نے — دل غم سے لگا ہے آہ بھرنے

قسمت سے اگر نصیب جاگے — تب آنکھ اسی طرح سے لاگے

پھر تک نہ لگے پلک پلک سے — تر جیب ہو اشک کی ڈھلک سے

ہو جان پر اس قدر تباہی — جلیے کہ چراغ صبح گاہی

تن بہہ کے ہوا ہے مثل دریا — آنکھیں ہیں بھریں حباب آسا

دیدار کی بس کہ تشنہ لب ہیں — مہمان یہ کوئی دم کی اب ہیں
لازم ہے خبر شتاب لینا — مرنے کو چلا ثواب لینا
جاں بخشی اگر کرو تو بہتر — بے طرح فراق میں ہے مضطر
اک شمہ کہاں لگاؤ دل کا — ناسور ہوا ہے گھاؤ دل کا
ہم ہیں اور یاد مہربانی — کہیو قاصد یہی زبانی
سوئے ایماں ہم لگا ہے — پیہم اگر نیست گاہ گاہ ہے

مثنوی برق تاب

عجب برسات کی ہے فصل پیاری — کہ جس کا فیض ہے عالم میں جاری
لکھوں کس رنگ سے تعریف اسکی — کہ کاغذ خود بخود ہوتا ہے ابری
اگر صفحہ پہ کھینچوں جدول سیم — رواں ہوتی ہے مثل جوئے تسنیم
ہر اک نقطہ سے قطرہ ہوئے پیدا — بنے ہر سطر اشک موج دریا
حروف عین و غین از قاف تا قاف — ہیں دال ابرو عین چشمہ صاف
کوئی اب شعر کہہ سکتا کہاں ہے — کہ ہر اک بحر دریا سے رواں ہے
رقم ہووے اگر مضموں پہ دشوار — ڈبو دیوے سفینہ بحر اشعار
پہنچنا کیونکہ ہووے تا بہ منزل — سیاہی سے قلم ہے پائے در گل
مگر یہ خامۂ مژگان پر نم — برنگ ناؤ واں جاری ہے ہر دم

لکھوں جو زرقی برق اس کی بجا ہے — کہ بہتر موسم ابر و ہوا سے ہے

ہجوم ابر کا ہے اس قدر جوش — کہ ہے خورشید بھی عالم سے روپوش

یہ طوفاں آب کا از غرب تا شرق — مہ نو کی بھی کشتی ہو گئی غرق

تلاطم بس کہ تا چرخ بریں ہے — نہنگ کہکشاں بھی تہ نشیں ہے

عروج آب کا اتنا ہے طوفاں — پھریں بہتے برج حوت و سرطاں

گذر قوس قزح سے سب لے تامل — فلک پر بھی بندھا ہے اندنوں پل

نہیں یہ برق اب چمکی ہے ناگاہ — دل مجنوں کی آتش بیز ہے آہ

شرار تیشۂ فرہاد یا ہے — کہ جس نے بے ستوں کو شق کیا ہے

اگر ابر سیاہ اور کوہ و ہامون — نہیں ہے دود آہ و اشک مجنوں

فراہم چشمۂ داغ جگر کر — سراسر قیس نے پھینکا ہوا پر

نہیں ہے گر شب تیرہ سیاہ پوش — سویدائے دل مجنوں کا ہے جوش

سیہ خیمہ ہے لیلائے عرب کا — سواد وادی عالم میں برپا

ہوئی تو بس قزح از بسکہ زہ گیر — برستے ہیں عجب قطرات کے تیر

نہ سمجھے شور رعد و برق کی پے — کہیں دونوں کی آپس میں چھڑی ہے

شفق ابر سیہ میں ہے غلطاں — ملا ہے خاک میں خون شہیداں

نہ گرم و سرخ کے اب تو ہو در پے — نشانی دست فندقی بند کی ہے

جہاں کے بیچ آتش کی نشانی — اگر ڈھونڈو تو اب مشکل ہے پانی

تنور گرم سے طوفاں کا ہے جوش — ہوئی آتش برنگ لعل خاموش

ہے آتش سنگ میں بھی لبکہ نایاب — شرر کی جائے نکلے قطرۂ آب

سمندر کی یہ سنتے ہیں زبانی — "ہوا جاتا ہوں میں بھی پانی پانی"

یہ دشت و در میں بارش کا اثر ہے — کہ خارِ خشک بھی مژگان تر ہے

خطِ جادہ ہے ازبس رود پُر آب — ہوا ہے نقشِ پا مانند گرداب

زمیں اوپر ٹھہرتا سنگ ہے کب — شناور ہے بسانِ سنگ پشت آب

زمیں گیری محال ازبس ہوئی ہے — پڑے پھرتی ہے ترتے اپنے سائے

حباب اب جا بجا مت بوجھ ترتے — سبے مرغابی کے انڈے ہیں بہتے

تموج میں ہے ازبس آب گوہر — صدف مثلِ حباب اب ہے شناور

جہاں شمشیر میں جوہر عیاں ہے — برنگِ سبزۂ آب رواں ہے

طراوت آہنی ہے طوفاں کی درپے — کہ نقشِ بوریا بھی موج زن ہے

تموج آب کا ہے تا با فلاک — پھرے خطِ شعاعی مثلِ خاشاک

ہوا کا بادیا ہے برق آہنگ — جلو ریزی میں ابرش کے رکھے ڈھنگ

زبس فیل سحاب اب قطرہ زن ہے — گلچک کی شکل ہر شاخ چمن ہے

لب جو پر ہیں نخل ازبس کہ نایاب — بجائے سرو ہیں فوارۂ آب

ہر اک غنچہ سمن کا شبنم تر — ٹپکتا موتیا سے آبِ گوہر

بجائے بید مجنوں ہر مکاں ہیں — ہوئی قوسِ قزح پیدا جہاں ہیں

ہوا اب شعلۂ آتش گلِ تر — بجائے دود پیدا سنبلِ تر
یہ ہے انگشت و اخگر کا حوالہ — مطرا ہے برنگِ داغ لالہ
ترشح میں ہے ازبس ابر تصویر — چمن نقاش کا ہے رشکِ کشمیر
عجب نیرنگ کی نشو و نما ہے — پرِ طاؤس دامان ہوا ہے
زمیں سے تا فلک مت سرسری دیکھ — بہارِ عالمِ نیلوفری دیکھ
یکایک برق جب کڑکے ہے بے باک — دھمک جاوے حصارِ ہفت افلاک
یہ ہے بادل گرجنے سے علامت — کہ آئے شور میں صورِ قیامت
نہیں جگنو چمکتے ہیں یہ سارے — پڑے افلاک سے ہیں ٹوٹ تارے
شبِ تاریک میں یوں شمع ہے گم — کہ جیسے دیدۂ آہو میں مردم
ہے سیلِ شمع سے بھی یہ خرابی — بنی فانوس کی صورت حبابی
یہ طوفاں اب ہے میخانے کے اندر — کہ منبعِ آبگینہ حوضِ ساغر
ہے زہدِ خشک کا اب تر اسباب — عصا فوارہ و تسبیح دولاب
نہ کچھ سر پر اپنے تو عبث جب — کہ بارانی ہے دریا بار جوں ابر
سمجھ اس فصل سے گر آشنا ہو — کہ جوں عکس آئینہ جائے شنا ہو
بیاں ہووے نہ کیفیت کماہی — ہے جوشِ آب از مہ تا بماہی
حباب آسا زمانہ کا ہے اسباب — زمیں تا آسماں اک عالمِ آب
ادھر لا کشتیِ مے جلد ساقی! — جہاں کے ڈوبنے میں کیا ہے باقی

مجھے جانا ہے اُس خورشید رُو تک
عروسک جس کے نزدک کی کنیزک

نظر میری طرف تیری کہاں ہے
مری ہر اک پلک اب ناو داں ہے

نہ دی نالوں نے فرصت رات مجھ کو
ستاتی ہے نپٹ برسات مجھ کو

اُدھر اک بار بجلی کا کڑکنا
غضب اِدھر مرے دل کا دھڑکنا

عذابِ ہجر سے کیوں کر ہوں سر بر
مجھے قوسِ قزح آرہ ہے سر پر

عجب طوفان پر ہے ابرِ مژگاں
نگہ میری ہے برقِ خرمنِ جاں

نمونہ برجِ آبی چشم کا ہے
کہ سیلِ اشک بھی اک ماجرا ہے

سُنے جو کوئی اس کو لوٹ جاوے
سرشکِ چشم سے دریا بہاوے

یہ رُت بدلی ہے جب سے جی گھٹا ہے
کہ وہ خورشید رُو مجھ سے جُدا ہے

اندھاری رات ساون کی ڈراوے
اِدھر بجلی جدی آنکھیں دکھاوے

کبھو بارے ہے چشمک برق سے ابر
کبھی غراں ہے رعدِ تند جوں ببر

عجب اک کشمکش کے دام میں ہوں
کہ اک دم بھی نہیں آرام میں ہوں

اُدھر بادل طرف جنگل کے اینچے
اِدھر بجلی جسدی تلوار کھینچے

سُنے پی پی پپیہا کی جب آواز
کرے ہے مرغِ جاں قالب سے پرواز

شتابی آ کہیں اس وقت ساقی
تری اس سرد مہری نے لیا جی

پھروں ہوں چرخ ڈانواں ڈول جیسے
کہ عقل اس چاہ میں اب باولی ہے

عجب آئی ہے فصلِ برشگالی
نہیں ہے موج سے کوئی بھی خالی

رواں نہریں ہیں اور سبزہ ہے گہرا　　چمن سے لے کے تا داماں صحرا
کسی جا ناچتے بن بن کے ہیں مور　　کسی جا کو کلا کویل کا ہے شور
جدھر دیکھو ادھر اب کیا کہوں میں　　ہنڈولوں پر پری رو جھولتے ہیں
نظر اس پینگ میں وہ حسن کب آئے　　ہوا پر ایک بجلی سی چمک جائے
حنائی دست و بازو پر طلائی　　شفق ہے جوں کرن کی روشنائی
قیامت ہے اگر حسن دلاویز　　غضب آواز شیریں شور انگیز
کہیں ساون کی ہے آواز دلکش　　فرشتے کو سنے سے جس کے ہو غش
کہیں ٹھمری کسی جا دادرا ہے　　کہ ٹک سنتے ہی جس کے جی ہوا ہے
پری رو ہر مکاں میں ہو کے اب جمع　　برنگ صحبت پروانہ و شمع
کریں باہم دگر اب گرم جوشی　　مہیا اب ہے بزم بادہ نوشی
جہاں میں جا بجا ہے راگ اور رنگ　　جسے دیکھو تو اب ہے عیش آہنگ
رکھے ہے ایک مجھ سے جنگ یاراں　　کرے ہے دل یہ میرے سنگ باراں
رکھے کب تک مری کشتی تباہی　　مجھے دے وصل کی دولت الٰہی
سدا میرے رہے وہ سیم بر ساتھ　　بالفت لب بلب اور ہاتھ میں ہاتھ
شراب عیش کا جام و سبو بخش　　ترا بندہ ہوں مجھ کو آبرو بخش
جہاں میں جب تلک ابر و ہوا ہے　　یہی ایمان کی یارب دعا ہے
یہ سب جوش و خروش ابر باراں　　مبارک ہو بہ جمع میگساراں
وہ میرا مہرباں اور میں ہر اک دم　　رہیں ابر و ہوا کی طرح باہم

رُباعیات

اور

دیگر اصناف

رُباعیات

دنیا کے نہ مال و زر سے ہو تو مانوس   شمع کافور یا بلوریں فانوس
قاروں کی طرح سوائے گنج حسرت   کچھ اپنے نہ ساتھ لیگیا دقیانوس

کلپائیگا تو یوں ہی جہاں میں ظالم   کل پائے گا تو یوں ہی جہاں میں ظالم
بے چین کسی کو جب رکھا تو کیونکر   کل پائے گا تو یوں ہی جہاں میں ظالم

ہو عاشق صادق نہ جسد کا محتاج   بس دل کی تپش، نہ بال و پر کا محتاج
جس کو کہ نہیں ہے عشق کامل حاصل   فریاد و فغاں سے ہے اثر کا محتاج

ہو عشق کے ہم سر نہ کبھو حرص و ہوس   پروانے کے منصب کو نہ پہنچے ہے مگس
معشوق کا در اصل تغافل ہے محک   ہو جس سے کہ دریافت ہر اک کس ناکس

ہے حسن کا اوروں کے بھی گرچہ چرچا   دل اپنا نہ تجھ سوا کسی سے پرچا
تیرے سودے میں یہ تو گزری ہم پر   کیا مال ہے دل کہ نقد جاں بھی خرچا

مجلس تو ہم سے بے حجابی معلوم　　خلوت میں کبھی آہ باریابی معلوم
احوال ہمارا جو کبھو عرض کرے　　ایسا تو کوئی یار تو ابی معلوم

وعدہ جو کیا ہے سو شتابی بھیجو　　پر شرط ہے یہ کہ انتخابی بھیجو
دیکھے سے ہو نشہ و نشا جس کے　　اک ایسی شراب کی گلابی بھیجو

درکار ہے مجھ کو تجھ سے ملنا لیکن　　دشوار ہے مجھ کو تجھ سے ملنا لیکن
بے تاب ہے دل ملنے کو تجھ سے ہر چند　　یک بار ہے مجھ کو تجھ سے ملنا لیکن

سو بار اگر روٹھ گیا ہے مجھ سے　　پھر آپ سے ہی آن ملا ہے مجھ سے
ہیں ناز کے انداز ہزاروں اس میں　　کہتا ہے یہ کون وہ خفا ہے مجھ سے

اے ساقی بزم عیش و عشرت بنیاد　　ہے دور میں تیرے مست ہر اک شاد
اک شیشہ ادھر بھی بھیج دیجو گا ہے　　خم خانہ ترا مدام رہیو آباد

اس ماہ جبیں کا بسکہ روشن ہے جمال　　ابرو کو ہوا دیکھ کے شرمندہ ہلال
گل پھول گیا ہے نسبت عارض سے　　تشبیہ سے قامت کے ہوا سرو نہال

ماتم میں شہید کربلا کے واللہ پہنا ہے لباس آسماں نے بھی سیاہ
تشریف وہ لائے کلبۂ احزاں میں رونا جیسے منظور رہا اور نالہ و آہ

کچھ صبح کا اس غم سے گریباں نہیں چاک اب شام بھی کھولے بال اڑاتی ہے خاک
شبنم کے برسنے سے یہ ہوتا ہے یقیں ماتم میں حسین کے ہیں گریاں افلاک

ہر دم ہو شہنشاہ کو مولا کی مدد اور زندگی خضر و نشاطِ سرمد
یوں سالگرہ سے ہووے نئی عمر فزوں جوں صفر کے دیے سے ہو وہ چند عدد

تو ہے وہ امیر اعظم و بندہ نواز کہیئے جسے ابنائے زماں میں ممتاز
یوں سالگرہ سے عمر یارب ہو فزوں جیسے کہ گرہ سے نیشکر ہو دراز

نے ہم وہ رہے ہیں اب وہ یار رہا بلبل ہی نہ وہ، نہ اب وہ گلزار رہا
گاہے ماہے جو کہیں مل جاتے ہیں خالی باتوں سے تک سروکار رہا

غیروں کی سنو مزے سے ساری باتیں اور تلخ لگیں تمہیں ہماری باتیں
اڑتے ہو یہ کس سے ؟ باز آؤ صاحب ہم خوب سمجھتے ہیں تمہاری باتیں

ہے تجھ کو جوانی کی ترقی اے یار — ہے نو رمہ نو کی طرح لیل و نہار
از بس کہ ترا حسن ہے ہر آن فزوں — تصویر مصور سے ہے کھنچنا دشوار

ٹک آنکھ لگی شب کو جو روتے روتے — دیکھا سپنے میں تجھ کو سوتے سوتے
پھر آنکھ جو کھل گئی یکایک جوں شمع — جان آئی لبوں پہ صبح ہوتے ہوتے

جس دم کہ ہوائے بزنگالی ہووے — شیشے میں شراب پرتگالی ہووے
اللہ ہی اللہ ہے اس وقت اگر — آغوش میں یار لاابالی ہووے

قطعہ

شمع محفل نے ایک رات کہا — دیکھ پروانے کو بسوز و گداز
وہ جو ہے عندلیب عاشق گل — آہ و نالہ سے ہے سدا دمساز
چپ ہی چپ تو جو دے ہی جان عزیز — ہم پہ اب تک کھلا نہیں یہ راز
سن کے پروانے نے پڑھا یہ آن — آہ یہ شعر سعدی شیراز

عاشقاں کشتگان معشوق اند
بر نیاید ز کشتگاں آواز

مثلث

اے صنم بلند اختر، سرو قد چمن پیکر　　غنچہ لب دہن کوثر، زلف رُخ سہ عنبر
یہی نہیں تجھے بہتر میں رہوں سدا مضطر

کیا کہوں تری خوبی یا وہ قد بہ از طوبی　　دمبدم خوش اسلوبی وہ کچپن وہ مرغوبی
وہ ادا وہ محبوبی نقش ہے مرے دل پر

رُخ ترا برنگ گل اور بنفشہ ہے کاکل　　ہے چمن میں شور و غُل لے رہی ہیں یوں بُلبُل
زلف ہے اگر سنبل چشم ہے گل عبہر

کیا کہوں تجھے جانی تو ہے یوسف ثانی　　پر تری ستم رانی ہے فقط یہ نادانی
میں ترا ہوں قربانی کیجیو اسے باور

وہ خفا ترا ہونا عیش کا مزا کھونا　　یا کہوں عبث رونا آنسوؤں سے منہ دھونا
پھر گلے لپٹ سونا بے طرح سے اے دلبر

صاف وہ ترا سینہ حسن کا ہے گنجینہ　　یا حلب کا آئینہ عاشقوں سے یہ کینہ
الفتیں وہ دیرینہ یاد کر ستمگستر

گھر ترا پری خانہ میں ہوا ہوں دیوانہ　　تو بھرے ہے مستانہ ہاتھ میں ہے پیمانہ
ساقیا خرامانہ تو مجھے پلا ساغر

سرو قد بدن گل گوں دیکھ کر تجھے موزوں　　بید بھی ہوا مجنوں جو کہ ہے ترا مفتوں

غنچہ ساں جگر پر خوں کیوں نہ ہو بھلا یکسر
جو سخن کے ہو شایاں، بہتر ز دُر و مرجاں　　طرز یہ نہیں آساں طبع ہے کہ ہے نیساں
شعر کا ترے ایماںؔ، نقطہ ہے ہر اک گوہر

مخمس نمبر ۱

نہ دل کھلتا ہے گلشن میں کبھو پھولوں کی ڈالی سے　　نہ جی لگتا ہے بلبل کی چمن میں خوش مقالی سے
خرابہ جانؔ دل کا ہجر کی ہے پائمالی سے　　تصور میں ترے کبھو صبا اُس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

مرا پیغام کوئی اتنا کہیں دلخواہ سے میرے　　جنوں کا سلسلہ برہم ہے سال و ماہ سے میرے
فلک پر دود ہے اب نالۂ جاں کاہ سے میرے　　مکدر کیوں نہ دل تیرا ہوا شک آہ سے میرے
لگی ہے ایک لو ہم کو ہوائے برشگالی سے

بیاں میں راست کہتا ہوں گنہ کیجے معاف اتنا　　نہیں ہے اک سر مو بھی سخن میرا خلاف اتنا
بصد باریک بینی میں کیا مضمون صاف اتنا　　نہ ہوں اِن جامہ زیبوں کی کمر کا موشگاف اتنا
دلا میں تنگ آیا ہوں تری نازک خیالی سے

چمن کی آبرو تیرا ہے یہ رخسارۂ گل گوں　　جہاں سے کے ہوش پر مارا ہے آنکھوں نے تری شب خوں
لبوں میں ہے چھپا گو یا مسیحا کا دم موزوں　　تری تیغ نگہ کا اے فرنگی زادہ کشتہ ہوں
مجھے کہہ غسل دیں ظالم شراب پرتگالی سے

نہ پلٹے رنگ بوئے گل جہاں میں خار زخم ناصح   نہ پہونچے منصب پروانہ کو ہرگز مگس ناصح
حباب بحر کو دیکھا ہے تو نے ہی تو بس ناصح   دل بے عشق کے دشمن بہ تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا مینا ئے خالی سے

کیا ایمان سے اقرار ہر مضمون پہ اُن نے   جھکایا اپنا سر قوس قزح کے قد بالا نے
خجالت کا عرق لایا ہے منہ پر صبح دریا نے   کہی تعریف میں جو بیت تجھ ابرو کی سودا نے
خراج و باج لیتے ہیں وہ دیوان ہلالی سے

مخمس نمبر ۲

اے صنم حسن ترا بسکہ ہے خورشید پناہ   کلف آلودہ ترے روبرو ہے چہرۂ ماہ
چشم و ابرو کی کہوں کیا کہ ہر اک ہے دلخواہ   جس نے دیکھا تری صورت کہا سبحان اللہ
قدرت حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

گلشن رخ تو ترا سبز ہوا اب تو زور   دل عشاق کا ہے خال سیاہ کا فرجور
حسن کا تیرے پرستاں میں پڑا اب تو شور   خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے کہ مور
رونق ملک سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

حسن تیرا ہے زبس فتنہ شہر و سن سے   ظاہر آشوب ہی ہوتے ہیں ترے باطن سے
یہی سنتا ہوں جہاں بیچ پری و جن سے   قابل شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے
کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

گو کہ تشریف نہ لایا تو مرے مسکن تک　　نفسِ سرد نہ گذرا تھا کبھو شیون تک
چھینٹ پہونچی نہ کسی اور کے پیرہن تک　　خونِ دل چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موجزن تا بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

جلوہ گر حسن ترا جب سے ہے محفل کے بیچ　　یہی آتا ہے نظر دیدۂ کامل کے بیچ
مردمک سا ہے بھرا نور ہر اک تل کے بیچ　　داغ تجھ عشق کا چمکے ہے مرے دل کے بیچ
ہر ذرے میں درخشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

مخمس نمبر ۳

تری نگاہِ کرم مجھ پہ شمع رو معلوم　　بہا دے تجھ سے مرے دل کی آرزو معلوم
گلے لگوں ترے پروانہ طور سو معلوم　　اب اس طرف تری دل گرمی شعلہ خو معلوم
تپاک غیر سے جو ہوں گے ہم سے جو معلوم

روا نہیں ہے تجھے مجھ سے اس قدر اب بیر　　کیا نہ یاد مجھے تو نے ایک روز بخیر
کرے ہے اوروں ہی کے ساتھ تو چمن کی سیر　　بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبتِ غیر
کہ جا نہیں مرے کینے کو مہر تو معلوم

خدا نخواستہ کوئی تری نظر سے گرے　　ترا مزاج پھر اس کی طرف کبھو نہ پھرے
سند سمجھتے ہیں عشاق اس سخن کو مرے　　نہ زر نہ زور نہ طالع نہ رحم دل میں ترے
جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

ادیا وفا سے قد یا نہ کو مرے برباد — کیا نہ ذرہ میرے دل کو ایک دن بھی شاد
پھر اس پہ دیکھو تو یہ جور تازہ ہے ایجاد — گلہ میں غیر کے میری وفا کرے ہے یاد
ہے غائبانہ کبھو اس کے رو برو معلوم

ترا نظیر جہاں میں کوئی نہیں مہ رو — جمال زہرہ جبیں مشتری ہلال ابرو
رکھے ہے زرق زمین آسمان تجھ سے تو — عبث ہے دہر کی نت آنکھ تلاش ہے در کو
ہے وصل دور ترا میری جستجو معلوم

اگرچہ شعر کے کہنے میں چپ نہیں رہتے — کہو جو بات کچھ آپ آن کی نہیں سہتے
پھر میں ہیں شرم کے پانی میں غرق بہتے — سخن تو یار کبھی سودا برا نہیں کہتے
دلے جو چاہیے انداز گفتگو معلوم

مخمس نمبر ۴

تا چند مری جان دل آزار رہو گے — ہر بات پہ کھینچے ہوئے تلوار رہو گے
خونخوار و جفاکار و ستمگار رہو گے — عاشق کے کسی روز بھی غمخوار رہو گے
یا یوں ہی سدا بر سر انکار رہو گے

یہ گرم نگہ قہر ہے جل جاؤں گا پیارے — کیا آنکھ دکھانے سے نہ گھبراؤں گا پیارے
جیتا ہوں کوئی روز تو بتلاؤں گا پیارے — پر سامنے ہرگز نہ کبھو آؤں گا پیارے
گر یوں ہی مری شکل سے بیزار رہو گے

خورشید جب آنکھوں میں تمہاری ہوا ذرہ کیا چیز ہیں پھر سامنے پروین و مجرہ
اس حسن و جوانی پہ یہ اللہ رے غرہ کیوں کر نہ رکھو گے سر عشاق پہ آرہ
جب شانہ کش طرۂ طرار رہو گے

کوچہ میں تڑپتے ہیں کبھی آہ دل افگار اور کھینچتے ہیں نالۂ جانکاہ ہر اک بار
اُن کے بھی کبھو ہو گے خدا کے لئے غمخوار یا آئینہ شانے ہی سے رکھو گے سروکار
کاکل ہی کے پیچوں میں گرفتار رہو گے

پروا نہیں ہم کو بھی جو کرتے نہیں تم بات اور یوں ہی اگر ہم سے ہے انکار ملاقات
لیکن پس دیوار ہے اور ہم ہیں ہر اک رات آ جائے گی اس ہاتھ کسو دن تو کوئی گھات
تا چند بھلا دیکھیں خبردار رہو گے

ہر چند کہ جوں سرو ہو دراصل سرافراز اور جوہر ذاتی ہے تمہیں دلبری و ناز
پر فتنۂ دوراں کا نرالا ہے کچھ انداز خوبوں میں زمانے کے تو ہو جاؤ گے ممتاز
دو چار برس ہم سے اگر یار رہو گے

ہر چند چمن میں تو ہیں خورشید سے تا بدر پر اُس کی نظر میں تمہیں ہو زیب دہ صدر
ور پہلے رہے اُسے رشک سے صیاد کے سو غدر بلبل کی گلو! ہو گی اسی روز تمہیں قدر
جب باغ سے آ کر سر بازار رہو گے

اے فرقۂ عشاق کہو ہوش کدھر ہے اس آہ میں کیا فائدہ جس میں نہ اثر ہے
ہر اشک کے ہمراہ رواں لخت جگر ہے کچھ حال پہ اپنے بھی کبھو تم کو نظر ہے

آنکھوں سے بھلا کب تئیں خونبار رہو گے

یہ وہ ہیں جفا کار و دل آزار و ستمگر
شمشیر سے بیداد کی کاٹے ہیں کئی سر
گمراہ ہیں اتنے کہ خدا کا بھی نہیں ڈر
تم یارو جلاتے تو ہو دل اپنا بتوں پر
لاچار ہو پھر آپ ہی من مار رہو گے

وہ چشم کہ ہے فرقۂ عشاق کی آفت
مشاطہ نے جس میں نہ دیا کحل مروت
اور اُس کے تصور سے نہیں ٹک تمھیں فرصت
اے حضرت دل کا ہے کو پھر جاہو گے صحت
اس نرگس فتاں کے جو بیمار رہو گے

اے ساکن فردوس عبث تم کو ہی پندار
ایسے تو ہزاروں یہاں دلچسپ ہیں گلزار
اس بات کا واللہ کہ شاہد نہیں درکار
دیکھو گے تم ایک بار اگر کوچہ دلدار
حیران ہی جوں صورت دیوار رہو گے

وہ احسن تقویم سزا وار تبارک
دیوانہ بنے دیکھ ملک جس کو یکایک
یہ بات تو ہی صاف نہیں اس میں ہی کچھ شک
پروا ہے کہاں حسن کو ایمان کی جب تک
آئینہ صفت طالب دیدار رہو گے

مخمس نمبر ۵
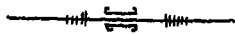
تیرے لئے سو میں ہنر کر گیا   خرچ فقط زور نہ زر کر گیا
ایک بھی ذرہ نہ اثر کر گیا   دل میں ترے جو کوئی گھر کر گیا
سخت مہم تھی کہ وہ سر کر گیا

چشم تو خونخوار ہیں وہ روز و شب   تس پہ کھنچی تیغ نگہ ہے غضب
جان سے بچتا ہی کوئی اُن کو کب   جا ہی بھڑا اُس صفِ مژگاں سے اب
دل تو بڑا سا ہی جگر کر گیا

شہر سے تا دشت میں پھرتا رہا   اُس کی تمنا ہی میں صبح و مسا
کل جو سرِ راہ مجھے مل گیا   وہم غلط کار نے دل خوش کیا
کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

تجھ سا نہیں آج کوئی دلربا   لب کا ترے لعل ہے زر بے بہا
کون سی خوبی کی کروں میں ثنا   فیض ترے وصف بنا گوش کا
اپنے سخن کو تو گہر کر گیا

بسکہ ہوس دخترِ رز کی بھی تھی   کون سی خدمت کہ نہیں ہم نے کی
آشنا اپنا نہ ہوا وہ دنی   دیکھ لی ساقی کی بھی دریا دلی

لب نہ ہمارے کبھو تر کر گیا

سنیو یہ اک نقل عجیب و غریب
جھوٹ نہ میں تجھ سے کہوں اے حبیب
بر سر امداد تھے اس کے نصیب
رات لا تھا مجھے تنہا رقیب

یار خدا کا ہے، میں ڈر کر گیا

جیتے ہی جی کے تھے یہ سب آقربا
بعد کسی کا نہیں کوئی آشنا
اپنی کہیں بیکسی ہم آہ کیا
خاک ہماری پہ بجز نقش پا

کوئی نہ آ خاک بسر کر گیا

خصلت بلبل ہے کہاں زاغ میں
رونق گلزار نہیں راغ میں
خوبیٔ لالہ تو نہیں داغ میں
ایک جو مانند گل اس باغ میں

خرم و خنداں ہو گذر کر گیا

بسکہ ہے مقسوم ہر اک کا جدا
کوئی ہے خوش کوئی ہے غمگیں سدا
ایک جب اس باغ سے یوں گیا
آن کے شبنم کی طرح دوسرا

شام سے رو رو کے سحر کر گیا

اپنی تو ایمان غرض راہ لے
چھیڑ کسی کو نہ ستا، جانے دے
کوئی مرے یا کوئی اب جی رہے
اب تجھے کیا فائدہ اس ذکر سے

ہر کوئی اک طرح بسر کر گیا

مخمس نمبر ۶

باغِ جہاں میں گُل بن تدبیر بو سکا تارِ عمل میں گوہرِ حکمت پُرو سکا
نیزہ مخالفوں کے جگر میں چبھو سکا یونان سی زمیں کو ارسطو ڈبو سکا
لیکن غبارِ موٗر کے دل سے نہ دھو سکا

باندھا تھا سر سے پہلے ہی اُس مرد نے کفن کیا کیا کئے نہ داوٗ رقیبوں نے اہل فن
اپنی بساط تک تو دیا نقدِ جان و تن سودا خمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

مشکل ہزار عشق کے ہیں راز اور نیاز تو ایک کا بھی ہو نہ سکا آہ چارہ ساز
جو کوئی دیوے جان تو ہو تمہاری سرفراز کس مُنہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہی عشق باز
اے رُو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

مخمس نمبر ۷

ہم تو واقف ہی نہ تھے عشق کی بیماری سے اور نہ اس تیرہ شبِ ہجر کی بیداری سے
کچھ سروکار نہیں تھا کسی دشواری سے شکوہ اغیار سے نے یار کی بیزاری سے
جو ہوا ہم پہ سو اس دل کی گرفتاری سے

ٹک بھی مژگاں نہ جھپک چشم اگر بینا ہے — کہ نظر سے بھی سبک سیر یہاں جینا ہے
ساغرِ گل سے مئے رنگ اگر پینا ہے — ہر قدم کوئے بتاں کارگہ مینا ہے
دیکھیو بچ کے سنبھالے ہوئے ہشیاری سے

مشتری دل سے ہیں کیونکر نہ ہوں آئینہ جبیں — پایۂ قدر ترا پہنچا ہے تا عرشِ بریں
نور سے چہرے کے روشن ہیں ترے بُرجِ زمیں — شہرہ تجھ حسن کا گر عالمِ علوی میں نہیں
پھر مہ جھانکے ہے کیوں پردۂ زنگاری سے

مو سے ہر چند نزاکت میں کمر ہے بہتر — اور بینا گوش سے کب آب گہر ہے بہتر
حسن جانسوز سے ہر ترکِ نظر ہے بہتر — دل یہ کہتا ہے کہ اس لب سے حذر ہے بہتر
گھر اک عالم کا جلا ہے اسی چنگاری سے

تجھ سے یہ عرض ہے ایمان کی آتش بالمن — ہیگا رندی کے سزاوار جوانی کا سن
بس زیادہ نہ خرابات کا اب ہو ساکن — واہ قائمؔ نہ تری آنکھ بھی بھیگی اک دن
ابر روتا ہے سدا خوف سیہ کاری سے

مسدّس

جس کا ہے نام ماہ جبیں جگ میں آشکار — شیریں سے بہتر اس کی کنیزیں ہیں گلعذار
بادِ بہاری وہ کرے ہے جدھر گذار — اُس کی سواری دیکھ کے خلقت کہے پکار

محمل نشین کتنے ہیں خدام یار میں
لیلےٰ کا ایک ناقہ وہاں کس قطار میں

جب لعلِ لب اس کی ہو گوہر فشانیاں — مثلِ صدف ہو گوش سراپا بیانیاں
طوطی کہے سُنے ہے جو یہ خوش بیانیاں — جس میں کہ جانفزائی کی ہوئے نشانیاں
اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر واں مسیح علیہ السلام کا

گلگشت کو جو آئے چمن میں وہ رشکِ ماہ — نرگس سے تا بہ شبنم اسی کی طرف نگاہ
جب اٹھ کے لے ہے باغ سے دولت سرا کی راہ — بلبل بہ بیکلی ست پکارہی کہ واہ واہ
غنچے سے مسکرا کے اسے زار کر چلی
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلی

نوشیں دہن ہے اس کا بہ از چشمۂ حیات — ہر ایک بات کیوں نہ ہو شیریں بہ از نبات
مانی کہے ہے دیکھ کے بہزاد سے یہ بات — نقشہ یہ کیسے کھنچ سکے غیر از خدا کی ذات
نازک ادا کے ساتھ وہ دلبر شکیل ہے
تصویر چیں بھی روبرو اس کے ذلیل ہے

مسند نشینِ بزم ہو جس دم وہ شمع رو — مست شرابِ عیش ہے ساغر سے تا سبو
آہنگ انتساب ہے چنگ و رباب کو — زہرا ترانہ ساز ہو یہ اس کے روبرو
تجھ سا کوئی وجیہ نہیں آسمان پر

کیوں کر کرے نہ ناز زمین آسمان پر

تزئیں پہ جب کرے ہے توجہ وہ دلربا　　منظور دیکھ سرمہ کو غازہ ہو جبہ سا
شانہ بصد زبان ہے وصّافِ زلف کا　　ہو یک زباں ہر ایک سے کہتی ہی یہ حنا
عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
اُس کے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

مشاطہ دیکھ آئینہ رُخ کرے خیال　　ہے عکسِ مردمک یہ نہیں ہے سیاہ خال
بل بل ہی جائے زلفوں کا کھڑے پہ بال بال　　اسپند دل سے وار کے بولے ہر ایک زال
سینے کو رستموں کے نگاہ اس کی توڑ دے
آنکھوں کی ہر پلک صفِ محشر کو توڑ دے

بیدار جب کہ خواب سے ہوتی ہی صبح گاہ　　پہلے کرے ہی آئینہ پہ اُس میں سے نگاہ
پھر صحن باغ بیچ خراماں ہو رشک ماہ　　بچھنے ہیں گلبدن کریں آنکھوں کو فرش راہ
رکھے ہے کس ادا سے وہ عالی دماغ پا
رنگِ حنا سے بسکہ ہوا رشک باغ پا

ابرو کماں دل ترے قرباں کیوں نہ جائے　　تیر نگاہ جب کہ تو یوں بیدھڑک چلائے
ہووے حرم کا بھی جو کبوتر نہ باز آئے　　پرواز کیوں نہ طائر عرشی بھی کرنے پائے
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑے زمانے میں
تڑپے ہی مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شہرہ سے ترے حسن کے روشن ہو سب جہاں — لے کر زمیں کی سطح سے تا ہفتم آسماں
پہنچیں ترے جمال کو حور و پری کہاں! — ہے گا ہر ایک ذرہ کی چشمک سے یہ عیاں

منہ دیکھو آئینہ کا ، تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

مستانہ تری چشم کا ہر اک ایاغ ہے — تیرا ہی نت نسیم سحر کو سراغ ہے
بلبل کو بوئے گل کا رہا کب دماغ ہے — کس کس کا ذکر کیجئے اک خلق داغ ہے

سنبل تمہارے گیسوؤں کے غم میں لٹ گیا
ابرو کی تیغ دیکھ مہ نو وہ کٹ گیا

میں جب سے اُس کے حسن کا دیوانہ ہو گیا — ویرانہ دل کا رشک پری خانہ ہو گیا
از بس شراب شوق سے مستانہ ہو گیا — عالم کے بیچ قصہ و افسانہ ہو گیا

چرچا جو میرے عشق کا جنگل میں چل پڑا
زانو پہ ہاتھ مار کے مجنوں اُچھل پڑا

شکر خدا کہ اب تو مرے حال پر مدام — مبذول دل سے مہر ہے اُس ماہ کے تمام
صحبت میں لطف و رُخ کی گذرتی ہے صبح و شام — ہم بزم ، ہم پیالہ و ہم راز ، ہم کلام

تب اُس بہشت رو سے یہ خلط بہم کیا
برسوں ہی ہم نے سورۂ یوسف کو دم کیا

ہرگز نہ ہوئے عشق سے ہمسر کبھو ہوس — فریاد عندلیب کہاں اور کہاں جرس

پہنچے نہ سوز کو دل پروانہ کے مگس — بے درد کے لئے ہے یہی شعر درد بس

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی کوئی ہوا ہو کسو کی نگاہ کا

ایمان آدمی کو کچھ اک درد خوب ہے — یعنی سرشک سرخ رخ زرد خوب ہے
لب پر بر رنگ صبح دم سرد خوب ہے — پیدا کرے جو سوز وہی مرد خوب ہے

ہووے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل
روشن رہے ہمیشہ الٰہی چراغ دل

تمام شد
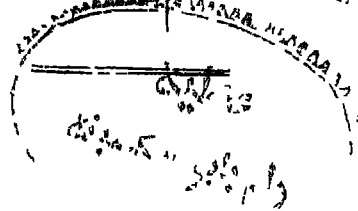
ملنے کا پتہ

سید عبدالقادر پبلشر چارمینار۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد۔ کتابستان الہ آباد۔ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی

مطبوعہ زندہ طلسمات فائن آرٹ لیتھو الکٹرک پریس کاچی گوڑہ